سورۃ النور

آیاتها ۶۴ ۲۴ سورۃ النور مدنیۃ ۱۰۲ رکوعاتها ۹

بالاجماع یہ مدنی سورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ①

''یہ (ایک عظیم الشان) سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اس (کے احکام) کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن آیتیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

اس سورت کا مقصود عفت اور پردہ پوشی کے احکام کا ذکر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عورتوں کو بالا خانوں میں نہ ٹھہراؤ اور نہ انہیں کتابت سکھاؤ اور انہیں سورۃ النور اور سوت کاتنا سکھاؤ (1)۔ وَ فَرَضۡنٰہَا را کی تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے تم پر اور تمہارے بعد میں آنے والوں پر اس سورت میں موجود احکام فرض کیے ہیں اور راء کی شد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے اس سورت میں مختلف فرائض نازل کیے ہیں۔ ابو عمرو نے فرّضناها تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے۔ الفرض کا معنی القطع بھی ہے اسی سے فرضة القوس ہے کمان کا حصہ، فرائض میراث کے مقررہ حصص۔ فرض النفقة خرچہ کا حصہ فرضنا یعنی ہم نے اسے علیحدہ واضح طور پر بیان کیا۔ بعض نے کہا: تشدید تکثیر کے لیے ہے یعنی اس میں کثرت سے فرائض ہیں۔ لغت میں سورت بلند مرتبہ کا نام ہے اسی وجہ سے قرآن کی سورت کہا جاتا ہے؛ زہیر نے کہا:

ألم تر ان الله أعطاك سورة تری کل مَلِكٍ دونها یتذبذب (2)

کتاب کے مقدمہ میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سورة کو رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر أنزلناها ہے، یہ ابو عبیدہ اور اخفش کا قول ہے۔ زجاج اور فراء اور مبرد نے کہا: سورة مرفوع ہے کیونکہ مبتدا کی خبر ہے (3) کیونکہ یہ نکرہ ہے اور نکرہ کے ساتھ آغاز نہیں کیا جاتا، یعنی هذه سورة۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ سورة مبتدا ہو اور اس کے بعد والا کلام اس کی صفت ہو جس نے اسے نکرہ محضہ کی تعریف سے خارج کر دیا پس اس کے ساتھ ابتداء درست ہے اور اس کی خبر اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ ہوگی۔ سورة نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کی تقدیر اس طرح ہوگی أنزلنا سورة أنزلناها۔ شاعر نے کہا:

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 361 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 70

3۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 361

الذئب أخشاه إن مررتُ به وَحْدِي وأخشى الرياح والمطر

یا فعل کے اضمار کے ساتھ منصوب ہوگی(1) یعنی اتل سورة، فراء نے کہا: یہ ھاء اور الف سے حال ہے۔ اور ضمیر سے حال ہو تو اس کا ذوالحال سے مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔

اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

”جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) درے اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور چاہیے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک گروہ“۔

اس میں بائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ زنا لغت میں شریعت سے پہلے بھی معروف تھا جیسے سرقہ (چوری) اور قتل کے اسم پہلے موجود تھے۔ زنا کا مطلب ہے مرد کا عورت کی فرج (شرمگاہ) میں بغیر نکاح اور بغیر شبہ نکاح کے عورت کی رضا کے ساتھ جماع کرنا۔ اگر تو چاہے تو یوں بھی کہہ سکتا ہے فرج کا طبعاً مشتہی فرج میں داخل کرنا جو شرعاً حرام ہو۔ جب ایسی صورت ہو تو حد واجب ہوتی ہے۔ زنا کی حد اور اس کی حقیقت اور اس کے متعلق علماء کے اقوال گزر چکے ہیں یہ آیت حبس کی آیت اور اذیت والی آیت جو سورۂ نساء میں ہے ان کے لیے بالاتفاق ناسخ ہے

مسئلہ نمبر2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ یہ آزاد، بالغ، غیر شادی شدہ زنا کرنے والے کی حد ہے۔ اسی طرح آزاد، بالغہ، غیر شادی شدہ عورت کی حد ہے اور سنت سے ایک سال کی جلاوطنی بھی ثابت ہے۔ اس جلاوطنی میں اختلاف ہے اور لونڈیاں اگر زنا کریں گی تو ان پر پچاس درے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء:25) یہ لونڈی کے بارے میں ہے۔ اور غلام بھی اسی کے معنی میں ہے۔ رہا آزاد لوگوں میں سے شادی شدہ تو اس پر کوڑے نہیں رجم ہوگا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلے اسے سو کوڑے مارے جائیں گے پھر اسے رجم کیا جائے گا یہ سب کچھ سورۃ النساء میں تفصیلاً گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر3۔ جمہور نے اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر ثقفی نے الزانیۃ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے: یہ سیبویہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک تیرے اس قول کی طرح ہے: زیداً اضرب۔ اور سیبویہ کے نزدیک رفع کی وجہ یہ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر ہے تقدیر اس طرح ہوگی فیما یتلی علیکم حکم الزانیۃ والزانی۔ رفع پر علماء کا اجماع ہے اگرچہ سیبویہ کے نزدیک قیاس نصب تھا فراء، مبرد اور زجاج کے نزدیک رفع زیادہ بہتر ہے اور خبر فَاجْلِدُوْا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 160

کے قول میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے الزانیۃ والزانی مجلودان بحکم اللہ۔ بدکارہ عورت اور بدکار مرد کو اللہ کے حکم سے کوڑے لگائے جائیں گے۔ یہ عمدہ قول ہے اور یہ اکثر نحویوں کا قول ہے۔ اگر تو چاہے تو خبر مقدر کرے ینبغی ان یجلدا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے الزان بغیر یاء کے پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مونث کا ذکر کیا حالانکہ الزانی کا لفظ دونوں کی طرف سے کافی تھا۔ بعض علماء نے کہا: دونوں کا ذکر تاکید کے لیے ہے جیسے فرمایا۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ:38) یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ مرد وطی کرنے والا تھا اور عورت محل وطی تھی اس لیے وہ وطی کرنے والی نہیں اس لیے اس پر حد واجب نہ ہوگی تو اس اشکال کو دور کرنے کے لیے دونوں کا ذکر فرمایا۔ یہ اشکال علماء کی ایک جماعت نے وارد کیا ہے جن میں امام شافعی بھی ہیں انہوں نے کہا: رمضان میں عورت پر وطی کی صورت میں کفارہ نہیں ہے کیونکہ ایک شخص نے کہا میں نے رمضان شریف میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کفّر تو کفارہ دے۔ اس کو آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔ عورت نہ مجامعت کرنے والی ہے اور نہ وطی کرنے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اَلزَّانِيَةُ کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا زنا عام تھا عربوں کی لونڈیوں اور فاحشہ عورتوں کے گھروں پر جھنڈے لگے ہوتے تھے اور وہ سرعام زنا کرتی تھیں۔ بعض علماء نے کہا: چونکہ عورتوں میں زنا زیادہ عار کا باعث ہے یہ اسی کی وجہ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ بعض نے کہا: عورت میں شہوت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر شہوت غالب ہوتی ہے اس کا پہلے ذکر کیا تاکہ وہ شہوت سے رک جائے اگرچہ عورت میں حیاء رکھا گیا ہے لیکن جب وہ زنا کرتی ہے تو اس کا حیاء ختم ہو جاتا ہے نیز عورتوں کی وجہ سے عار زیادہ لاحق ہوتی ہے کیونکہ ان کا موضوع پردہ اور حفاظت ہے اس لیے تغلیظا اور اہتماما ان کا پہلے ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ اَلزَّانِيَةُ اور اَلزَّانِيْ پر الف لام جنس کے لیے ہے۔ یہ عام ہے اور تمام بدکاروں کو شامل ہے۔ اور جنہوں نے رجم کے ساتھ دروں کا قول کیا ہے انہوں نے کہا: سنت میں حکم کی زیادتی آئی ہے پس کوڑوں کے ساتھ رجم بھی ہو گا: یہ اسحاق بن راہویہ، حسن بن ابی الحسن کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شراحہ سے ایسا ہی کیا تھا۔ اس کا بیان سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ غیر شادی شدہ کے ساتھ خاص ہے۔ انہوں نے غلاموں اور لونڈیوں کے خروج کی وجہ سے اس کے غیر عام ہونے پر استدلال کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے اس سزا پر نص قائم فرمائی جو بدکاری کرنے والوں پر واجب ہوگی جب ان کے خلاف گواہی قائم ہو جائے گی جیسا کہ آگے آئے گا۔ علماء کا اس قول پر اجماع ہے اور اس میں اختلاف ہے ایک شخص ایک عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں پایا جائے تو اس پر کیا واجب ہے؟ اسحاق بن راہویہ نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگائے جائیں گے؛ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ ان دونوں حضرات سے ثابت نہیں ہے۔ عطا اور سفیان ثوری نے کہا: ان کو ادب سکھایا جائے گا؛ یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے جیسا کہ ادب میں ان کے مذاہب کی قدر پر

ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جو اس حالت میں پایا جائے اس پر ادب ہے۔ اس میں جو مختار ہے وہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْلِدُوْا فاء داخل ہوئی ہے کیونکہ یہ امر کی جگہ ہے اور امر شرط کے لیے مضارع ہے۔ مبرد نے کہا: اس میں جزا کا معنی ہے، یعنی اگر زنا کرنے والا زنا کرے تو اس کے ساتھ ایسا کرو، اسی وجہ سے فا داخل ہوئی اسی طرح وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ:38) ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس امر کے ساتھ مخاطب امام اور اس کا نائب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: ہر کوڑے اور قطع میں یہ حکم ہے۔ امام مالک نے فرمایا کوڑوں میں ہے، قطع میں یہ حکم نہیں۔ بعض نے کہا: یہ خطاب مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ دین کے مراسم کو قائم کرنا مسلمانوں پر واجب ہے پھر امام ان کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ حدود کے قائم کرنے پر اجتماع ممکن نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اجماع ہے کوڑے مارنا دُرّے کے ساتھ واجب ہے اور وہ کوڑا درمیانی صورت میں ہوگا نہ بہت سخت اور نہ بہت زیادہ نرم۔ امام مالک نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے(1) کہ ایک شخص نے عہد رسالت میں زنا کا اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک کوڑا منگوایا تو آپ کے پاس ٹوٹا ہوا کوڑا لایا گیا آپ نے فرمایا: ''اس سے بہتر ہو''۔ پھر ایک نیا کوڑا لایا گیا جو زیادہ تیز تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اس سے کم ہو'' پھر کوڑا لایا گیا جو درمیانی قسم کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ مارنے کا حکم دیا۔ ابو عمر نے کہا: مؤطا کے تمام رواۃ نے اس حدیث کو اسی طرح مرسل روایت کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس لفظ کے ساتھ متصل سند سے مروی ہے۔ معمر نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ سورہ المائدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدامہ کو شراب پینے کی وجہ سے مکمل کوڑے سے مارنا گزر چکا ہے، یعنی متوسط کوڑے سے مارا۔

مسئلہ نمبر 11۔ علماء کا اختلاف ہے کہ زنا میں سزا پانے والے کے کپڑے اتارے جائیں گے یا نہیں؟ امام مالک، امام ابو حنیفہ وغیرہما کا قول ہے کہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے اور عورت پر وہ لباس رہنے دیا جائے گا جو باعث پردہ ہو نہ کہ وہ جو اسے ضرب سے بچائے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: امام کو اختیار ہے چاہے تو اس کے کپڑے اتارے چاہے تو نہ اتارے۔ شعبی اور نخعی نے کہا: اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے لیکن اس پر قمیص چھوڑی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس امت میں کپڑے اتارنا اور لٹا کرنا نہیں ہے؛ یہی ثوری کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ علماء کا مردوں اور عورتوں کو ضرب لگانے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: مرد اور عورت تمام حدود میں برابر ہیں ان میں کوئی کھڑا نہیں کیا جائے گا اور یہ صرف پیٹھ پر لگائی جائے گی۔ اصحاب الرائے اور امام شافعی کا خیال ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے کوڑے لگائے جائیں گے، یہی حضرت علی بن ابی طالب کا قول ہے۔ لیث بن سعد، امام

1۔ مؤطا امام مالک، ماجاء فیمن اعترف علی نفسہ بالزنا، صفحہ 286

ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: تمام حدود میں اور تعزیر میں لٹائے بغیر کھڑا کر کے کپڑے اتار کر سزا دی جائے گی سوائے حد قذف کے۔ اسے مارا جائے گا جب کہ اس پر کپڑے ہوں گے؛ یہ مہدوی نے التحصیل میں امام مالک سے روایت کیا ہے اس سے پوستین اور جیکٹ وغیرہ اتار لی جائے گی۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر اس کو لٹانے میں صلاح ہو تو اسے لٹایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ ان مواضع میں اختلاف ہے حدود میں انسان کو جہاں مارا جائے گا؟ امام مالک نے کہا: ساری حدود کی سزا پیٹھ پر دی جائے گی اور یہی حکم تعزیر کا بھی ہے (1)۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا: چہرے اور شرمگاہ کو بچایا جائے گا اور باقی تمام اعضاء پر مارا جائے گا (2)؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لونڈی کی ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا جسے زنا میں کوڑے لگنے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ چہرے، شرمگاہ اور ایسی جگہ پر نہیں مارا جائے گا جس کی وجہ سے مرنے کا اندیشہ ہو، سر پر مارنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا: سر کو بچایا جائے گا۔ حضرت عمر نے صبیغ بن عسل کو سر پر مارا اور یہ تعزیر تھی، حد نہیں تھی۔ امام مالک کی حجت میں سے یہ ہے جس پر لوگوں کو انہوں نے پایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "دلیل پیش کرو ورنہ پیٹھ پر حد لگے گی" (3)۔

مسئلہ نمبر 14۔ ایسی ضرب لگانا واجب ہے جو تکلیف تو پہنچائے مگر زخمی نہ کرے نہ عضو کو کاٹے اور مارنے والا اپنا ہاتھ اپنی بغل کے نیچے سے نہ نکالے، یہی جمہور کا قول ہے یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حد کے سلسلہ میں ایک شخص کو لایا گیا آپ نے درمیانہ کوڑا منگوایا اور مارنے والے کو کہا: تو اسے مار لیکن تیری بغل نظر نہ آئے اور ہر عضو کو اس کا حق دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شرابی لایا گیا آپ نے فرمایا: میں تجھے ایسے شخص کے پاس بھیجوں گا جسے تم پر نرمی نہ آئے گی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کو مطیع بن اسود عدوی کی طرف بھیجا اور فرمایا جب تو کل صبح کرے تو اسے حد لگانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ اسے سخت کوڑے مار رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے آدمی کو قتل کر دیا، تو نے اسے کتنی ضربیں لگائی ہیں؟ اس نے کہا: ساٹھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیس باقی ہیں ان کے بدلے میں اس شدت کو کر دے جو تو نے اسے پہنچائی ہے اور مزید بیس کوڑے نہ لگاؤ۔ اس حدیث سے یہ سمجھ آتا ہے کہ شراب، پینے والے کو سخت کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ حدود میں سخت ضرب کس حد میں ہوگی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ امام مالک اور ان کے اصحاب اور لیث بن سعد نے کہا: تمام حدود میں ضرب برابر ہے۔ وہ ضرب زخمی کرنے والی نہ ہوگی اور درمیانی ضرب ہوگی؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا: تعزیر کی ضرب سخت ترین ضرب ہے اور زنا کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے اور شراب پینے والے کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے (4)۔ ثوری نے کہا: زنا کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے اور قذف کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے (5)۔ امام

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 363 2۔ ایضاً

3۔ صحیح بخاری، باب اذا ادعی أو قذف فلہ ان یلتمس البینۃ وینطلق لطلب البینۃ، جلد 1، صفحہ 367

4۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 363 5۔ ایضاً

مالک نے کوڑوں کی تعداد پر توقیف کے ورود سے حجت پکڑی ہے۔ اور حدود میں سے کسی حد میں تخفیف اور تثقیل وارد نہیں ہے اس شخص کے متعلق جس کے لیے تسلیم ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے حجت پکڑی ہے کہ تعزیر میں ضرب، زنا کی ضرب سے شدید ہوگی۔ ثوری نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ زنا میں جب کوڑوں کی تعداد زیادہ ہے تو یہ محال ہے کہ قذف تکلیف میں زیادہ ہو اسی طرح شراب ہے کیونکہ شراب میں حد اجتہاد سے ثابت ہے اور مسائل اجتہاد مسائل توقیف سے زیادہ قوت والے نہیں ہوتے۔

مسئلہ نمبر 16۔ وہ حد جو اللہ تعالیٰ نے زنا، شراب اور قذف میں واجب کی ہے مناسب ہے کہ وہ حکام کے سامنے لگائی جائے اور اسے فضلاء اور خیار لوگ قائم کریں جن کو امام منتخب کرے اسی طرح صحابہ کرام کرتے تھے جب ان کے لیے کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ قاعدہ شرعیہ اور قربت تعبدیہ کے ساتھ قائم کی جاتی ہے پس اس کے فعل۔ اس کی مقدار، محل اور حال پر محافظت واجب ہے تاکہ اپنی شروط اور احکام سے کوئی چیز تجاوز نہ کرے کیونکہ مسلم کا خون اور اس کی حرمت بہت زیادہ ہے پس جتنا ممکن ہو سکے اس کی رعایت کرنا واجب ہے۔ صحیح میں حضین بن منذر ابی ساسان سے مروی ہے فرمایا: میں عثمان بن عفان کے پاس موجود تھا، ولید کو لایا گیا اس نے صبح کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر کہا: کیا میں تمہیں زیادہ پڑھاؤں۔ ولید کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پی تھی، دوسرے نے گواہی دی اس نے اس کو قئی کرتے دیکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے قئ نہیں کی حتی کہ اس نے شراب پی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حسن! اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ، حسن نے کہا: یہ کام اس کے سپرد کرو جن کو یہ خلافت اچھی لگتی ہے، گویا حضرت حسن نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ بن جعفر! تم اٹھو اور اس کو کوڑے لگاؤ۔ پس حضرت عبداللہ بن جعفر نے اسے کوڑے لگائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں شمار کیا(1)۔ سورۃ المائدہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ نے قذف اور زنا میں کوڑوں کی تعداد پر نص قائم فرمائی ہے اور شراب میں اسی کوڑوں پر تمام صحابہ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے توقیف ثابت ہے۔ پس ان میں حد سے تجاوز نہیں کیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس وقت تک ہے جو لوگ شر میں مگن نہ ہوں اور انہیں گناہ میں لذت نہ ہو لیکن جب وہ گناہوں کو عادت بنالیں اور بار بار گناہ کریں حد کو آسان سمجھیں اور وہ برائی سے باز نہ آئیں تو پھر شدت متعین ہو جائے گی اور گناہ کی زیادتی کی وجہ سے حد زیادہ کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رمضان میں ایک نشئی کو لایا گیا تو آپ نے اسے سو کوڑے لگائے، اسی شراب کی حد کے طور پر اور بیس رمضان کی حرمت توڑنے پر پس جنایات کی تغلیظ اور حرمات کی ہتک پر سزائیں مرکب کرنا واجب ہے۔ ایک شخص نے بچے کے ساتھ بدمعاشی کی تو والی نے اسے تین سو کوڑے مارے۔ امام مالک کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اسے تبدیل نہیں کیا پھر اگر امام ہمارے زمانہ میں حرمات کی ہتک اور گناہوں کی بھرمار اور برائیوں پر تعاون اور حدود کی بیع اور

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 1230

قضاۃ کے منصب پر غلاموں کا فائز ہونا دیکھتے تو غم وغصہ کی وجہ سے فوت ہو جاتے اور کسی کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ کرتے۔ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔ میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے شراب کی حد میں زیادتی کی گئی حتی کہ اسی کوڑوں تک پہنچ گئی۔ دار قطنی نے روایت کیا ہے ہمیں قاضی حسین بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں اسامہ بن زید نے بیان کیا انہوں نے زہری سے روایت کیا انہوں نے کہا مجھے عبدالرحمٰن بن زہر نے بتایا انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنگ حنین کے دن دیکھا آپ لوگوں کے درمیان تھے آپ خالد بن ولید کی منزل کے بارے پوچھ رہے تھے پھر نشہ کی حالت میں ایک شخص لایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے پاس موجود لوگوں کو فرمایا: ''اسے اس چیز کے ساتھ مارو جو تمہارے پاس ہے'' فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر مٹی ڈالی۔ فرمایا: پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشئی کو لایا گیا، فرمایا: اس دن انہوں نے ضربات کو طلب کیا اور اسے چالیس کوڑے لگائے (1)۔ ازہری نے کہا پھر حمید بن عبدالرحمن نے مجھے بتایا انہوں نے ابن وبرہ کلبی سے روایت کیا فرمایا مجھے خالد بن ولید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا فرمایا: میں ان کے پاس آیا تو ان کے پاس حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے اور وہ ان کے ساتھ مسجد میں سہارا لے کر بیٹھے تھے میں نے کہا: مجھے خالد بن ولید نے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں لوگ شراب پینے میں مبالغہ کر رہے ہیں اور اس کی سزا کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ لوگ تمہارے پاس ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم دیکھتے ہیں جب شرابی شراب پیتا ہے تو ہزیان بکتا ہے اور جب ہزیان بکتا ہے تو تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی پیغام خالد بن ولید کو پہنچا دو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ فرمایا: حضرت خالد نے اسی کوڑے لگائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے لگائے۔ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی کمزور شخص لایا جاتا اور اس سے لغزش ہوئی ہوتی تو اسے چالیس کوڑے لگاتے۔ فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے اور چالیس کوڑے لگائے۔ اسی مفہوم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''اگر چاند موخر ہوتا تو میں تمہارے لیے زیادتی کرتا (2)'' جیسے کوئی ناپسند کرنے والا کہتا ہے جب صحابہ کرام صوم وصال رکھنے سے نہ رکے تھے۔ ایک روایت میں ہے: ''اگر ہمارے لیے مہینہ لمبا ہوتا تو میں متواتر صوم وصال رکھتا حتیٰ کہ شدت کرنے والے اپنی شدت کو ترک کر دیتے'' (3)۔ حماد بن یحییٰ نے سفیان سے انہوں نے مسعر سے انہوں نے عطاء بن ابی مروان سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو شراب پینے کی وجہ سے سو کوڑے لگائے۔ ابو عمر نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس کا سبب ذکر نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ۔ محدود پر حد قائم کرنے سے شفقت کی بنا پر نہ رکو، ضرب میں تخفیف نہ کرو تاکہ اسے تکلیف ہی نہ ہو؛ یہ اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے۔ شعبی، نخعی اور سعید بن

1۔ ابوداؤد، کتاب الحدود، باب اذا تتابع فی شرب الخمر، حدیث 3831، 3890، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، النھی عن الوصال، جلد 1، صفحہ 352 3۔ ایضاً

جبیر نے کہا: لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ یعنی ضرب لگانے اور کوڑے لگانے میں تمہیں رحم نہ آئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کسی جگہ حد قائم کرنا وہاں کے لوگوں کے لیے چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے پھر یہ آیت پڑھی۔ الرافۃ میں رحمت سے زیادہ نرمی ہے۔ رافۃ الف کے فتحہ کے ساتھ فعلۃ کے وزن پر پڑھا گیا ہے اور رافتعالۃ کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ تین لغات ہیں یہ تمام مصادر ہیں زیادہ مشہور پہلا ہے یہ روف سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے نرمی کرنا اور رحم کرنا کہا جاتا ہے: رأفة و رآفة جیسے کأبة و کآبة۔ وقد رافت به و رؤفت به۔ الروف اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ العطوف کا معنی الرجیہ ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے حکم میں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ (یوسف: 76) یعنی فی حکمہ۔ بعض نے کہا: فی دین اللہ کا مطلب ہے فی طاعة الله و شرعه یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حدود کے قائم کرنے کا جو حکم دیا ہے اس میں اس کی شریعت اور اس کی طاعت میں، پھر انہیں تثبیت اور ابھارنے کے معنی پر اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کے قول سے قائم فرمایا۔ یہ اس طرح ہے جیسے تو کسی شخص کو ابھارتے ہوئے کہتا ہے: اگر تو مرد ہے تو ایسا کر یعنی یہ مردوں کے کام ہیں۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے انہیں تعذیب دینے کے لیے وہ حاضر ہوں جو تادیب کے مستحق ہوں۔ مجاہد نے کہا: ایک آدمی سے لے کر ہزار آدمیوں تک۔ ابن زید نے کہا: چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے زنا کی شہادت پر قیاس کیا ہے۔ یہ اس کا ایک باب ہے؛ یہی امام مالک، لیث اور امام شافعی کا قول ہے۔ عکرمہ اور عطا نے کہا: دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے (1)۔ یہ امام مالک کا مشہور قول ہے، پس انہوں نے اس کو شہادت کی جگہ دیکھا۔ زہری نے کہا: تین آدمی ہوں کیونکہ یہ جمع کا کم از کم فرد ہے۔ حسن نے کہا: ایک یا ایک سے زائد ہوں، ان سے مروی ہے کہ دس ہوں۔ ربیع نے کہا: تین سے زائد ہوں۔ مجاہد کی حجت یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (التوبہ: 122) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وان طائفتان اگر دو گروہ، یہ دو آدمیوں کے لڑنے کے متعلق نازل ہوئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ایک کو بھی طائفہ کہا جاتا ہے اور ہزار تک افراد کو طائفہ کہا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم کا قول ہے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی نے ایک لونڈی کے بارے میں حکم دیا جس نے بدکاری کی تھی اور بچہ جنم دیا تھا انہوں نے اس لونڈی پر کپڑا ڈال دیا تھا اور پھر اپنے بیٹے کو اسے پچاس ایسی ضربیں مارنے کو کہا جو زخمی کرنے والی نہ ہوں اور نہ اتنی ہلکی ہوں کہ تکلیف محسوس نہ ہو اور انہوں نے ایک جماعت کو بلایا پھر یہ آیت پڑھی وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

مسئلہ نمبر 21۔ جماعت کے حضور سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے کیا اس سے مقصود بدکاروں پر سختی اور موجود لوگوں کو توبیخ ہے؟ یہ محدود کو روکتا ہے اور جو موجود ہوتے ہیں انہیں نصیحت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے جھڑک ہوتی ہے اس کی بات کی تشہیر ہو جاتی ہے اور بعد والے لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں یا انکے لیے تو یہ اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 162

میں علماء کے دو قول ہیں۔

مسئلہ نمبر 22۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! زنا سے بچو کیونکہ اس میں چھ خصال ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں وہ جو دنیا میں ظاہر ہوتی ہیں وہ یہ ہیں، چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، فقر اور غربت آ جاتی ہے اور عمر کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو آخرت میں ظاہر ہوں گی یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو گی، حساب برا ہو گا اور ہمیشہ دوزخ میں جلنا ہو گا''۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر جمعہ میں مجھ پر میری امت کے اعمال دو مرتبہ پیش کیے جاتے ہیں پس زنا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہوتا ہے''۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ''جب پندرہ شعبان کی رات ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ میری امت پر کرم کی نظر فرماتا ہے۔ اور ہر اس مومن کو بخش دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا مگر پانچ افراد کی بخشش نہیں ہوتی، جادوگر، کاہن، والدین کا نافرمان، ہمیشہ شراب پینے والا، اور زنا پر اصرار کرنے والا'' (1)۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ٘ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳

''زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ، نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مشرک اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کے معنی میں علماء تفسیر کے چھ اقوال ہیں: (۱) اس آیت کا مقصد زنا کی برائی بیان کرنا اور اس کی خرابی بیان کرنا ہے۔ اور یہ کہ مومنین پر یہ حرام کیا گیا ہے۔ ماقبل سے اس معنی کا اتصال بہت عمدہ ہے۔ لَا یَنْكِحُ سے مراد لا یطاء ہے یعنی وطی نہیں کرتا ہے۔ پس نکاح بمعنی جماع ہو گا مبالغہ کے لیے اور ہر طرف کو لینے کے لیے واقعہ کو دہرایا پھر مشرک اور مشرکہ کی تقسیم زائد فرمائی اس حیثیت سے کہ گناہ میں شرک زنا سے اعم ہے معنی یہ ہے کہ زانی اپنے زنا کے وقت جماع نہیں کرتا مگر مسلمانوں میں سے زانیہ سے یا جو مشرکات میں سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے (2)۔ زجاج نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کتاب اللہ میں نکاح، تزویج کے معنی میں معروف ہے، اس طرح نہیں ہے جیسا کہ زجاج نے کہا ہے قرآن حکیم میں ہے: حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ (البقرہ: 230) نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا۔ کہ ''یہاں وطی کے معنی میں ہے''۔ یہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ طبری نے سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے ایسی بات روایت کی ہے جو اسی تاویل کی طرف میلان رکھتی ہے، لیکن وہ مکمل نہیں ہے۔ خطابی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ اس کا معنی وطی ہے یعنی زنا نہیں ہوتا مگر زانیہ کے ساتھ یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ زنا دونوں جہتوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک قول ہے۔

1۔ ابن ماجہ، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، حدیث 1379، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 162

مسئلہ نمبر 2۔ ابوداؤد اور امام ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مرثد بن ابی مرثد قیدیوں کو مکہ سے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ مکہ میں ایک بدکارہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی، حضرت مرثد نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کرلوں؟ فرمایا: کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیت پڑھی اور فرمایا: ''تو اس سے نکاح نہ کر''۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں اور امام ترمذی کی حدیث اکمل ہے۔ خطابی نے کہا: یہ اس عورت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ وہ کافرہ تھی اور زانیہ مسلمہ، اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ مسلمانوں میں سے ایک فرد کے ساتھ خاص تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا۔ وہ بدکارہ عورتوں میں سے تھی اور اس نے شرط رکھی تھی کہ اس مرد پر وہ خرچ کرے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یہ عمرو بن العاص اور مجاہد کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی: یہ مہاجر لوگ تھے مدینہ طیبہ میں ان کے مکانات اور خاندان نہ تھے وہ مسجد کے صفہ پر رہتے تھے۔ یہ چار سو افراد تھے دن کے وقت رزق تلاش کرتے تھے اور رات صفہ پر گذارتے تھے۔ مدینہ میں بدکارہ عورتیں تھیں جو اعلانیہ بدکاری کرتی تھیں۔ اور لباس اور خوراک کی ان کے پاس فراوانی ہوتی تھی۔ اہل صفہ نے ان سے نکاح کرنے اور ان کے مکانات میں رہنے اور ان کے طعام اور لباس سے کھانے کا ارادہ کیا تو ان کو اس سے بچانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی: یہ ابن ابی صالح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ یہ قول زجاج وغیرہ نے حسن سے ذکر کیا ہے، حسن نے فرمایا: الزانی سے مراد وہ ہے جسے حد لگائی گئی ہو اور زانیہ سے مراد بھی وہ ہے جس پر حد لگائی گئی ہو یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، پس جس زانی کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اس زانیہ سے جسے حد لگائی گئی ہو؛ ابراہیم نخعی نے اسی طرح کہا ہے۔ اور مصنف ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(1)، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ زانی جس کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے''، روایت ہے کہ ایک زانی جس کو حد لگائی گئی تھی اس نے غیر محدودۃ عورت سے شادی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان تفریق کردی۔ ابن عربی نے فرمایا: یہ وہ معنی ہے جو نظر کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے جیسا کہ نقلاً بھی ثابت نہیں ہے، ایسے شخص کا نکاح جس کو حد لگائی گئی ہو کیا وہ محدودۃ عورتوں کے نکاح پر موقوف ہونا صحیح ہے؟ یہ کس اثر سے ہوگا اور شریعت کی کس اصل پر قیاس ہوگا؟ میں کہتا ہوں: یہ قول الکیا نے بعض اصحاب شوافع سے حکایت کیا ہے کہ زانی جب غیر زانیہ سے نکاح کرے گا تو ظاہر آیت کی وجہ سے ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ الکیا نے کہا: اگر وہ ظاہر پر عمل کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ زانی کے لیے مشرکہ سے بھی نکاح کو جائز قرار دے اور زانیۃ کے لیے مشرک مرد سے نکاح کرنا بھی جائز قرار دے یہ انتہائی بعید ہے، یہ کلیۃً اسلام سے خروج ہے۔ کبھی یہ علماء کہتے ہیں: یہ آیت خاص مشرک میں منسوخ ہے، زانیۃ کے حق میں منسوخ نہیں ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی قولہ الزانی لا ینکح الا زانیۃ، جلد 1، صفحہ 280

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت منسوخ ہے امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا: اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً اس آیت کو بعد والی آیت وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ نے منسوخ کر دیا ہے؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، فرمایا: أیامی المسلمین میں زانیہ بھی داخل ہے۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: یہ قول اکثر علماء کا ہے، اہل فتویٰ فرماتے ہیں: جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے اور دوسرے شخص کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اس زانیہ سے نکاح کرلے۔ یہ حضرت ابن عمر، حضرت سالم، حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہم، عطا، طاؤس، امام مالک بن انس کا قول ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں قول اسی طرح ہے جس طرح سعید بن مسیب نے فرمایا، ان شاء اللہ یہ منسوخ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس آیت میں اشراک کا ذکر ان مناحی کو کمزور کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہوگا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے یا نکاح سے مراد عقد نکاح ہوگا اگر اس سے مراد وطی ہوگا تو اس کا معنی ہوگا زنا نہ ہوگا مگر زانیہ کے ساتھ، یہ عبارت ہے اس سے کہ وطی، مرد اور عورت دونوں جہتوں سے ہوتی ہے، آیت کی تقدیر اس طرح ہوگی زانیہ کی وطی واقع نہ ہوگی مگر زانی سے یا مشرک سے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ معنی صحیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر بالغ آدمی بچی سے زنا کرے یا عاقل، مجنونہ سے زنا کرے یا بیدار شخص سوئی ہوئی سے زنا کرے تو مرد کی جہت سے زنا ہوگا پس یہ مرد زانی غیر زانیہ سے نکاح کرے گا۔ پس گذشتہ مسئلہ کی صورت سے یہ خارج ہوگا۔ ہم کہیں گے: یہ ہر جہت سے زنا ہے مگر ایک میں حد ساقط ہے دوسرے میں ثابت ہے۔ اگر نکاح سے مراد عقد نکاح ہو تو اس کا معنی ہوگا زانیہ سے نکاح کرنے والا جس نے زنا کیا اور اس کے ساتھ اس نے دخول کیا جبکہ ابھی تک اس سے اس کا رحم صاف نہیں ہوا، تو وہ زانی کے قائم مقام ہوگا مگر اس پر حد نہ ہوگی کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، مگر جب اس نے اس سے عقد نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا رحم صاف ہو جائے تو یہ بالاجماع جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا: آیت میں یہ مراد نہیں کہ زانی کبھی نکاح نہ کرے مگر زنا کرنے والی عورت سے کیونکہ اس کا غیر زانیہ سے نکاح کرنا متصور ہوتا ہے لیکن معنی یہ ہے کہ جس نے زانیہ سے نکاح کیا وہ زانی ہے گویا فرمایا: زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر زانی۔ پس کلام میں قلب ہوا، وہ یہ ہے کہ زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر وہ اس کے زنا سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوتا ہے جب وہ خود اس سے زنا کرنے والا ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنا صحیح ہے جب کسی مرد کی بیوی زنا کرے تو اس کا نکاح فاسد نہ ہوگا جب مرد زنا کرے تو اس کا اپنی بیوی سے نکاح فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ آیت منسوخ ہے، بعض نے کہا: یہ آیت محکم ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت سے زنا کیا تو آپ نے دونوں کو سو سو کوڑے لگائے پھر اسی وقت انہوں نے ایک دوسرے سے نکاح کرلیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک سال کے لیے جلا وطن کیا تھا۔ اسی کی مثل حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا آغاز زنا تھا آخر نکاح تھا، اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی باغ سے چوری کرے پھر وہ باغ

والے کے پاس آئے اور اس سے وہ پھل خرید لے تو اس نے جو چوری کیا تھا وہ حرام تھا اور جو خریدا وہ حلال ہے اسی کو امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پانی کی کوئی حرمت نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جب مرد، عورت سے زنا کرے پھر اس کے بعد اس سے نکاح کر لے تو وہ ہمیشہ زنا کرنے والے ہوں گے؛ یہ امام مالک کا مسلک ہے ان کا خیال ہے کہ وہ اس سے نکاح نہ کرے یہاں تک کہ اس کا رحم اس فاسد پانی سے صاف ہو جائے، کیونکہ نکاح کی حرمت ہے اور اس کی حرمت سے یہ ہے کہ زنا کے پانی پر اسے نہ انڈیلا جائے تاکہ حلال، حرام مل نہ جائیں، ذلیل پانی اور عزت والا پانی مل نہ جائیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن خویز منداد نے کہا: جو اعلانیہ زنا یا دوسرے برے کاموں میں معروف ہو پھر وہ کسی معزز گھرانے کی عورت سے نکاح کرے اور وہ انہیں دھوکا دے تو انہیں اختیار ہے چاہیں تو اس کے ساتھ رہیں چاہیں تو اس سے جدائی کر لیں۔ یہ عیوب میں سے کسی عیب کی طرح ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ ''ایسا زانی جس کو کوڑے لگائے گئے ہوں وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے'' (1)۔ ابن خویز منداد نے کہا: کوڑے لگائے گئے کا ذکر کیا کیونکہ وہ فسق کے ساتھ مشہور ہے یہ وہ ہے جس کے درمیان میں دوسرے کے درمیان تفریق کرنا واجب ہے اور جو فسق میں مشہور نہ ہو تو جدائی نہ کی جائے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ متقدمین کی ایک قوم نے کہا: یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ ان علماء کے نزدیک جس نے زنا کیا اس کا اور اس کی بیوی کا نکاح فاسد ہو جائے گا جب عورت زنا کرے گی تو اس کا اور اس کے خاوند کا نکاح فاسد ہو جائے گا، ان علماء میں سے بعض نے کہا: زنا سے نکاح فاسد نہ ہوگا لیکن مرد کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے جب اس عورت نے زنا کیا ہو۔ اگر وہ اسے اپنے پاس رکھے گا تو گناہگار ہوگا اور زانیہ کے ساتھ اور زانی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اگر توبہ ظاہر ہو جائے تو اس وقت نکاح جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ان بدکاروں کا نکاح مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان بدکاروں کے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حرام قرار دیا ہے۔ ان عورتوں میں سے مشہور عناق تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے زنا کو کتاب اللہ میں حرام کیا ہے۔ جب مرد زنا کرے گا تو اس پر حد ہوگی۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور ابو ثور کا قول ہے۔ اصحاب الرائے نے کہا: ''وہ مسلمان شخص جو دار الحرب میں امان کے ساتھ رہ رہا ہو اور وہ وہاں زنا کرے'' پھر دار الاسلام میں نکل آئے تو اس پر حد نہ ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: دار الحرب اور دار الاسلام برابر ہیں جو بھی زنا کرے گا اس پر حد ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

1۔ سنن ابی داؤد، باب قولہ الزانی لاینکح الا زانیۃ، جلد 1، صفحہ 280

جَلۡدَةً وَّ لَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝

''اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درے اور نہ قبول کرنا ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے اور وہی لوگ فاسق ہیں، مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کر لیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں چھبیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت تہمت لگانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی سعید بن جبیر نے کہا: اس کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تھی (1)۔ بعض نے کہا: یہ عام تہمت لگانے والوں کے سبب نازل ہوئی نہ کہ مخصوص واقعہ میں۔ ابن المنذر نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخبار میں کوئی ایسی خبر نہیں پاتے جو صراحۃً قذف پر دلالت کرتی ہو۔ اور ظاہر کتاب اللہ اس سے مستغنی ہے۔ جو اس قذف پر دلالت کرتی ہو جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہے اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ یعنی جو زبان درازی کرتے ہیں اس کے لیے رمی کا اسم عاریہ لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ زبان کے ساتھ اذیت ہے۔ نابغہ نے کہا:

جرح اللسان کجرح الید　زبان کے زخم ہاتھ کے زخم کی طرح ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

رماني بأمرٍ كنتُ منه ووالدي　　بريئا من أجل الطَّوِيّ رماني

اس کو قذف کہا جاتا ہے اسی سے حدیث پاک ہے ''ابن امیہ نے ایک عورت پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائی'' (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میں عورتوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ اہم ہیں اور ان پر برائی کی تہمت لگانا زیادہ قبیح ہے اور نفوس کو زیادہ زخمی کرنے والا ہے۔ اور مردوں پر تہمت لگانا بھی معنی اور اجماع امت کی وجہ سے حکم میں داخل ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے اس نے خنزیر کے گوشت کی تحریم پر نص قائم فرمائی اور اس میں اس کی چربی اور بھر بھری ہڈی بھی شامل ہے۔ یہ معنی اور اجماع کی وجہ سے ہے۔ زہراوی نے حکایت کیا ہے اس کا معنی: الانفس المحصنات ہے۔ اور یہ اپنے لفظ کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کو شامل ہے، اس پر دلیل وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: 24) کا قول ہے۔ ایک قوم نے کہا: المحصنات سے مراد فروج، شرمگاہیں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّتِيۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا (الانبیاء: 91) اس میں مردوں اور عورتوں کی شرمگاہیں داخل ہیں۔ بعض نے کہا: اجنبیہ عورت کا ذکر کیا گیا، جب اس پر تہمت لگائی جائے تا کہ اس پر مرد کا اپنی عورت پر تہمت لگانے کا عطف کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ جمہور نے المحصنات سے مراد یہاں پاکدامن عورتیں لی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 164　　2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 12450

ہیں۔ سورۃ النساء میں الاحصان کا ذکر اور اس کے مراتب گزر چکے ہیں۔ والحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کے نزدیک قذف کی نو 9 شرائط ہیں دو شرطیں تہمت لگانے والے میں ہیں۔ (۱) عقل، (۲) بلوغت، کیونکہ مکلف ہونے کی یہ دو اصل ہیں جو عقل مند نہ ہو اور جو بالغ نہ ہو وہ مکلف نہیں ہوتے اور دو شرطیں اس میں ہیں جس کے ساتھ تہمت لگائی گئی ہے وہ یہ کہ وہ ایسی وطی کی تہمت لگائے جس میں حد لازم آتی ہو اور وہ لواطت ہے یا بچے کی باپ سے نفی پائی جائے اور پانچ شرائط اس میں ہیں جس پر تہمت لگائی گئی ہے، عقل، بلوغت، اسلام، حریت، اور اس برائی سے پاک ہونا جس کی تہمت لگائی گئی ہے خواہ وہ دوسری برائیوں سے پاک ہو یا نہ ہو۔ ہم نے اس کے بارے میں جس پر تہمت لگائی گئی ہو عقل اور بلوغت کی شرط رکھی ہے جس طرح ہم نے قاذف میں یہ شرطیں ذکر کی ہیں۔ اگر یہ دونوں احصان کے معانی سے نہیں ہیں کیونکہ حد اس اذیت کو دور کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے جو اس پر داخل ہوتی ہے جس پر تہمت لگائی جاتی ہے اور عقل اور بلوغت کے نہ ہونے پر کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کو نہ لوطی کہا جاتا ہے نہ زانی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جب صراحۃً زنا کا ذکر کرے تو یہ قذف اور تہمت ہوگی اور حد کا موجب ہوگی۔ اگر وہ تعریض کرے اور صراحۃً زنا کا ذکر نہ کرے تو امام مالک نے فرمایا: وہ قذف، تہمت ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وہ قذف نہ ہوگا حتی کہ وہ خود کہے کہ میں نے قذف کا ارادہ کیا تھا۔ امام مالک کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قذف میں حد اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ وہ عار دور ہو جو تہمت لگانے والا، متہم شخص پر لگاتا ہے جب تعریض کے ساتھ عار حاصل ہو تو واجب ہے کہ وہ قذف ہو جیسے صریح تہمت لگانے میں حد ہوتی ہے، اور فہم پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہا: اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ۝ (ہود) یعنی قوم نے آپ کو سفیہ اور گمراہ کہا۔ انہوں نے برا کہنے کے لیے تعریض کی ایسی کلام کے ساتھ جس کا ظاہر مدح ہے۔ یہ ایک تاویل ہے جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے بارے میں فرمایا۔ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ۝ (الدخان) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق حکایت کیا ہے: یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۝ (مریم) لوگوں نے حضرت مریم کے باپ کی تعریف کی اور ان کی والدہ سے بدکاری کی نفی کی اور حضرت مریم کے لیے تعریض کی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا۝ (النساء) اور ان کا کفر معروف تھا وہ بہتان عظیم ہے جس کے لیے انہوں نے تعریض کی یعنی نہ تیرا باپ برا تھا، نہ تیری والدہ بدکارہ تھی یعنی تو ان دونوں کے برعکس ہے جبکہ تو یہ بچہ لائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوْ اِیَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ (سبا) اس لفظ سے سمجھا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار ہدایت یافتہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہدایت یافتہ ہیں پس اس تعریض سے وہی سمجھا گیا جو اس کی تصریح سے سمجھا گیا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے حطیہ کو قید کیا تھا جب اس نے کہا تھا:

دَعِ المکارمَ لا ترحل لبغیتها واقعد فإنک أنت الطاعم الکاسی

کیونکہ حطیہ نے اس شعر میں عورتوں کے ساتھ انہیں تشبیہ دی کہ انہیں کھلایا پلایا جاتا ہے اور لباس دیا جاتا ہے، جب اس

نے نجاشی کا قول سنا:

قبیلته لا یغدِرون بذمة ولا یظلمون الناس حَبّة خَرْدلِ

اس نے کہا: کاش خطاب بھی اسی طرح ہوتا۔ شاعر نے قبیلہ کے ضعف کو بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اس شخص پر حد نہیں ہے جو کسی اہل کتاب میں سے کسی مرد یا عورت پر تہمت لگائے۔ زہری، سعید بن مسیب اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: اس پر حد ہوگی جب کہ اہل کتاب کا بیٹا مسلمان ہو۔ اس میں تیسرا قول یہ ہے کہ جب کوئی نصرانی عورت پر تہمت لگائے جو مسلمان کی بیوی ہو تو اسے کوڑوں کی حد لگائی جائے گی۔ ابن المنذر نے کہا: بڑے بڑے علماء پہلے قول کے قائل ہیں میں نے کسی عالم کو نہیں پایا جو اس کے مخالف ہو۔ جب کوئی نصرانی آدمی، آزاد مسلمان پر تہمت لگائے تو اس پر وہی حد ہوگی جو مسلمان کی حد ہوگی یعنی اسی کوڑے اس کے بارے میں اختلاف میں نہیں جانتا۔

مسئلہ نمبر 7۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ غلام کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے جب وہ کسی آزاد پر تہمت لگائے گا کیونکہ غلامی کی وجہ سے اس کی حد نصف ہو جاتی ہے جیسے زنا کی حد اس کی نصف ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبد العزیز اور قبیصہ بن ذویب سے مروی ہے کہ غلام کو بھی اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ ابو بکر بن محمد نے غلام کو اسی کوڑے مارے تھے جس نے آزاد پر تہمت لگائی تھی؛ یہی امام اوزاعی کا قول ہے۔ جمہور علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑی ہے: فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء:25) اور دوسرے علماء نے کہا: ہم نے یہاں سمجھا کہ زنا کی حد اللہ کے لیے ہے اور بعض اوقات اس کے حق میں تخفیف ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کم ہوتی ہیں اور اس پر حد سخت ہوتی ہے جس پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور رہی حد قذف تو یہ آدمی کا حق ہے یہ واجب ہوتی ہے اس پر جو کسی کی عزت کو تار تار کرتا ہے۔ اور جنایت غلامی اور حریت کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتی۔ بعض اوقات کہتے ہیں: اگر ان کی سزا مختلف ہوتی تو ذکر کیا جاتا جس طرح زنا میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اکثر علماء کا نظریہ پہلا قول ہے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اجماع ہے کہ آزاد جب غلام پر تہمت لگائے گا تو اس کی وجہ سے آزاد کو حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ ان کے مراتب مختلف ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جس نے اپنی لونڈی پر زنا کی تہمت لگائی قیامت کے روز اس پر حد لگائی جائے گی مگر یہ کہ وہ اسی طرح ہو جس طرح آقا نے کہا ہے“ (1)۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے تخریج کیا ہے۔ بعض طرق میں ہے: ”جس نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی پھر زنا ثابت نہ ہوا تو اس پر قیامت کے روز اسی کوڑے حد لگائی جائے گی“۔ یہ دار قطنی نے ذکر کی ہے۔ علماء نے فرمایا: آخرت میں اس لیے حد ہوگی کیونکہ اس وقت ملکیت اٹھ چکی ہوگی اور شریف، وضیع، آزاد، غلام برابر ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کوئی فضیلت نہ ہوگی مگر تقویٰ کی بنا پر جب

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الحدود والدیۃ، جلد 2، صفحہ 91

ایسا ہوگا تو حدود و حرمت میں سب لوگ برابر ہوں گے ہر شخص سے دوسرے کا بدلہ لیا جائے گا مگر یہ کہ مظلوم، ظالم کو معاف کر دے۔ دنیا میں ہم پلہ نہیں ہیں تا کہ مالکوں پر ان سے بدلہ لینے میں ذلت داخل نہ ہو اور ان کے لیے مرتبہ میں حرمت و فضل صحیح نہیں ہے ورنہ تسخیر کا فائدہ باطل ہوگا اور حلیم و علیم کی حکمت بھی ختم ہو جائے گی۔ لا الہ الا ھو۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک اور امام شافعی نے بتایا: جس نے کسی کو غلام سمجھ کر اس پر تہمت لگائی جبکہ وہ آزاد تھا تو اس پر حد ہوگی؛ یہ حسن بصری کا قول ہے اور ابن المنذر کا مختار قول ہے۔ امام مالک نے کہا: جس نے ام الولد پر تہمت لگائی اسے حد لگائی جائے گی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی امام شافعی کے قول کا قیاس ہے۔ حسن بصری نے کہا: اس پر حد ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کسی کو کہا: اے رانوں میں وطی کرنے والا! ابن القاسم نے کہا: اس پر حد ہوگی کیونکہ یہ تعریض ہے۔ اشہب نے کہا: اس میں حد نہیں ہے کیونکہ یہ ایسے فعل کی طرف نسبت ہے جو بالاجماع زنا شمار نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب ایسی چھوٹی بچی پر زنا کی تہمت لگائی بلوغت سے پہلے جس کے ساتھ زنا ممکن ہے تو امام مالک کے نزدیک یہ بھی قذف ہوگا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: یہ قذف نہیں ہے کیونکہ اس پر حد نہیں ہے اسے تعزیر لگائی جائے گی (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ مسئلہ کئی احتمال رکھتا ہے۔ اور کئی شکلیں رکھتا ہے۔ امام مالک نے مقذوف کی عزت کی حفاظت طلب کی ہے اور دوسرے علماء نے قاذف کی پیٹھ کی حفاظت کا خیال کیا ہے اور مقذوف کی حمایت اولی ہے کیونکہ تہمت لگانے والے نے اس کا پردہ چاک کیا ہے اپنی زبان سے تو اس پر تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے اسی طرح بچے پر تہمت لگانے والا جو دس سال کو پہنچ چکا ہے، تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی۔ اسحٰق نے کہا: جب ایسے غلام پر تہمت لگائے جس کی مثل وطی کر سکتا ہے تو اس پر حد ہوگی اور بچی جب نو سال سے تجاوز کر جائے تو یہی حکم ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جس نے نابالغ پر زنا کی تہمت لگائی اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ یہ جھوٹ ہے لیکن اذیت پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ابو عبید نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ایک عورت آئی اس نے ذکر کیا کہ اس کا خاوند اس کی لونڈی سے وطی کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو سچی ہے تو ہم اسے رجم کریں گے اگر تو جھوٹی ہے تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے۔ اس عورت نے کہا: مجھے اپنے گھر والوں کی طرف لوٹا دو میرا اندر غصہ سے ابل رہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اپنی بیوی کی لونڈی سے وطی کرے اس پر حد ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس پر کوئی تہمت لگائے تو اس کے تہمت لگانے والے پر حد ہے کیا تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول سنا نہیں: اگر تو جھوٹی ہے تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایسا کرنے والا اپنے فعل اور قول سے جاہل نہ ہوا گر وہ جاہل ہوگا اور وہ شبہ کا دعوی کرنے والا ہوگا تو ان تمام صورتوں میں اس سے حد دور کی جائے گی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص حاکم کی موجودگی میں کسی پر تہمت لگائے اور جس پر تہمت لگائی گئی، حاضر نہ ہو تو قاذف، تہمت لگانے والے پر کچھ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ آئے اور حد کا مطالبہ کرے کیونکہ معلوم نہیں

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 365

یہ سچا ہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کوئی تعریض نہیں کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حاکم کے پاس جب کسی شخص پر تہمت لگائی جائے پھر مقذوف آئے اور اپنا حق طلب کرے تو حاکم اس کی بات سن کر تہمت لگانے والے کو حد لگائے گا کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو جھوٹی ہوگی تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے، کیونکہ یہ انسانوں کے حقوق سے ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں اختلاف ہے کہ یہ حقوق اللہ سے ہے یا آدمیوں کے حقوق سے ہے یہ آگے آئے گا۔ ابو عبید نے کہا: اصمعی نے کہا شعبۃ نے مجھ سے غیری نَغِرہ کا مفہوم پوچھا تو میں نے اسے کہا: یہ نَغَرالقِدْرِ سے مشتق ہے۔ ہانڈی کا ابلنا۔ اسی سے ہے۔ نغرت تنغر نغرت تنغر جب وہ ابلنے لگے اس کا معنی ہے اس کا اندر غیرت اور غصہ کی وجہ سے ابل رہا ہے۔ رأیت فلانا یتنغر علی فلان یعنی اس کا اندر فلاں پر غصہ کی وجہ سے ابل رہا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگائی تو اس پر دو حدیں لگائی جائیں گی؛ یہ مسروق کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اسے ایک حد لگائی جائے گی کیونکہ اللہ کا ارشاد عام ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ان کا شرف محدود کی حد میں زیادتی کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ مرتبہ کا شرف حدود میں مؤثر نہیں ہوتا اور مرتبہ کی کمی کرنے میں مؤثر نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جنہوں نے تہمت لگائی ان پر کلام آگے آئے گی کیا قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ چار گواہ صرف زنا میں ضروری ہیں باقی حقوق میں چار گواہ نہیں ہیں، یہ حکم بندوں پر رحمت اور ان کی پردہ پوشی کے لیے ہے۔ یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ گواہوں کی گواہی کی ادائیگی کے لیے امام مالک کے نزدیک ایک مجلس ہونا شرط ہے۔ اگر مجالس جدا ہوئیں تو شہادت نہ ہوگی۔ عبد الملک نے کہا: گواہی گواہوں سے قبول کی جائے گی خواہ وہ اکٹھے ہوں یا جدا جدا آئیں۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ گواہوں کا اجتماع تعبدی ہے؛ یہ ابن القاسم کا قول ہے۔ اور عبد الملک کا نظریہ یہ ہے کہ مقصود شہادت کی ادائیگی ہے اور اس کا جمع ہونا ہے اور وہ حاصل ہو چکا ہے؛ یہ عثمان بتی، ابو ثور کا قول ہے اور ابن المنذر کا مختار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ ان آیات میں اکٹھا آنے یا متفرق طور پر آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 15۔ اگر شہادت مکمل ہوگی مگر ان کی تعدیل نہیں کی گئی تو حسن بصری اور شعبی کا خیال ہے کہ نہ گواہوں پر حد ہوگی اور نہ اس پر جس کے خلاف گواہی دی گئی ہے؛ یہی قول امام احمد، امام نعمان اور امام محمد بن حسن کا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جب اس پر چار گواہ گواہی دیں کہ اس نے زنا کیا ہے اگر ان گواہوں میں سے کوئی اس پر ناراضگی کی وجہ سے گواہی دے رہا ہو یا کوئی غلام ہو تو سب کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ سفیان ثوری، احمد اور اسحاق نے کہا: چار گواہوں میں دو اندھے ہوں اور وہ کسی عورت پر زنا کی گواہی دیں تو سب کو سزا ملے گی۔

مسئلہ نمبر 16۔ اگر گواہوں میں سے ایک اپنی گواہی سے رجوع کرلے جبکہ جس پر زنا کی گواہی دی گئی تھی اسے رجم ہو چکا ہو تو ایک طائفہ نے کہا: وہ چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور دوسرے گواہوں پر کچھ نہ ہوگا، اسی طرح قتادہ، حماد، عکرمہ، ابو

ہاشم، امام مالک، امام احمد اور اصحاب الرائے کا نظریہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر وہ کہے کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تا کہ اسے قتل کیا جائے تو اس کے اولیاء کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو بدلے میں اسے بھی قتل کر دیں اگر چاہیں تو اسے معاف کر دیں اور اس سے چوتھائی دیت وصول کر لیں اور اس پر حد ہوگی۔ حسن بصری نے کہا: اسے قتل کیا جائے گا اور دوسرے گواہوں پر دیت کا 3/4 حصہ ہوگا۔ ابن سیرین نے کہا: جب وہ کہے میں نے خطا کی اور میں نے کسی اور کا ارادہ کیا تھا، تو اس پر پوری دیت ہوگی۔ اگر وہ کہے: میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تو اسے قتل کیا جائے گا؛ یہی ابن شبرمہ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ حد قذف کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حقوق اللہ سے ہے یا حقوق العباد سے ہے یا اس میں ان دونوں کا شائبہ ہے۔ پہلا امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور دوسرا امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے، تیسرا قول بعض متاخرین کا ہے۔ اختلاف کا ثمرہ اس وقت مرتب ہوگا کہ اگر وہ اللہ کا حق ہے اور امام تک معاملہ پہنچ جائے تو وہ اس پر حد قائم کرے اگرچہ مقذوف مطالبہ نہ بھی کرے اور قاذف کی توبہ اللہ اور اس کے درمیان نفع بخش ہوگی۔ اس میں حد غلامی کی وجہ سے نصف ہو جائے گی جیسے زنا میں ہوتی ہے۔ اگر یہ آدمی کا حق ہو تو امام حد کو قائم نہیں کرے گا مگر مقذوف کے مطالبہ کے ساتھ اور مقذوف کے معاف کرنے کے ساتھ معاف ہو جائے گا اور قاذف کو توبہ نفع نہیں دے گی یہاں تک کہ مقذوف اسے معاف کر دے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ جمہور کی قرات اَربعہ کی الشہداء کی طرف اضافت کے ساتھ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن یسار اور حضرت ابو زرعۃ بن عمرو بن جریر نے اربعۃ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ شہداء میں چار وجوہ ہیں یہ اَربعۃ کی صفت کی بنا پر مجرور ہوگا یا بدل ہوگا اور اس کا نکرہ سے حال یا تمیز ہونا بھی جائز ہے۔ حال اور تمیز کے قول میں نظر ہے کیونکہ حال نکرہ سے ہے اور تمیز جمع ہے۔ اور سیبویہ کا خیال ہے یہ عدد کی تنوین ہے اور اس کی اضافت ترک کی گئی ہے اور یہ شعر میں جائز ہے۔ ابو الفتح عثمان بن جنی نے اس قرات کو اچھا کہا ہے اور جمہور کی قرات پر اس کو بہتر سمجھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ شہداء محل نصب میں ہو اس معنی میں ثم لم یحضروا اربعۃ شہداء۔

مسئلہ نمبر 19۔ چار گواہوں کی گواہی کا حکم یہ ہے کہ انہوں نے وہ اس طرح دیکھا ہو جس طرح سرمچو سرمہ دانی میں ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ نساء میں نص حدیث میں گذر چکا ہے اور وہ ایک جیسی گواہی ہو؛ یہ مالک کے قول پر ہے۔ اگر چار گواہوں میں سے ایک بھی ادھر ادھر ہو گیا تو تین کو کوڑے لگائے جائیں گے جیسے حضرت عمر بن‌ؓ نے مغیرہ بن شعبہ کے معاملہ میں کیا تھا۔ ان کے خلاف ابو بکرہ نفیع بن حارث اور ان کے بھائی نافع نے زنا کی گواہی دی تھی۔ زہراوی نے کہا: عبداللہ بن حارث اور ان کا ماں کی طرف سے بھائی زیاد جو حضرت معاویہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تھا شبل بن معبد بجلی۔ چاروں گواہ شہادت دینے کیلئے آئے تو زیاد نے توقف کیا اور گواہی نہ دی حضرت عمر بن‌ؓ نے مذکورہ تین گواہوں کو کوڑے لگائے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْلِدُوْهُمْ، الجلد کا معنی ہے مارنا۔ المجالدۃ والمضاربۃ کوڑے مارنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں، پھر الجلد کا لفظ تلوار وغیرہ سے مارنے کیلئے بھی استعمال ہوا؛ اسی سے قیس بن خطیم کا قول ہے:

أجالدهم يوم الحديقة حاسرًا كأن يدي بالسيف مخراق لاعب

ثَمٰنِيْنَ مصدر کی بنا پر منصوب ہے جلدۃً تمیز ہے۔ وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا یہ ان کی مدت عمر کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر ان پر حکم لگایا کہ وہ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہیں۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا استثنا کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ بدل کی بنا پر محل جر میں ہو معنی یہ ہو کہ ان کی کبھی شہادت قبول نہ کرو مگر جو قذف کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، یہ آیت قاذف، تہمت لگانے والا کے بارے میں تین احکام اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، اس کو کوڑے لگنا، اس کی شہادت کا ہمیشہ رد ہونا اور اس کا فاسق ہونا استثناء کوڑوں کے بارے میں تو بالاجماع عامل نہیں ہے مگر جو شعبی سے مروی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور فسق میں بالاجماع عامل ہے اور شہادت کے رد میں اس کے عامل ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ شریح قاضی، ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: استثنا اس کی شہادت کے لوٹانے میں عامل نہیں ہے اور اس کا فسق اللہ تعالیٰ کے نزدیک زائل ہو جائے گا اور رہی قاذف کی شہادت تو وہ کبھی قبول نہیں ہوگی خواہ وہ توبہ کرے اور اپنے نفس کو جھٹلا بھی دے کسی صورت میں بھی اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: شہادت لوٹانے میں عامل ہے۔ جب قاذف توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ اس کی شہادت کا رد ہونا فسق کی علت کی وجہ سے تھا جب توبہ سے فسق زائل ہو گیا تو حد سے پہلے اور حد کے بعد مطلقاً اس کی شہادت قبول ہوگی؛ یہ عام فقہاء کا قول ہے۔ پھر اس کی توبہ کی صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اور شعبی وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ اس قذف میں اپنے آپ کو جھوٹا کہے جس میں اس کو حد لگائی گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا آپ نے مغیرہ کے خلاف گواہی دینے والوں کو کہا تھا جس نے اپنے آپ کو جھوٹا کہا اس کی شہادت مستقبل میں قبول ہوگی اور جس نے ایسا نہیں کیا اس کی شہادت کو جائز قرار نہیں دوں گا۔ ابوبکرہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا پس اس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی تھی۔ یہ قول نحاس نے اہل مدینہ سے روایت کیا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا جن میں امام مالک بھی ہیں کہ اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت کو درست کرے اگرچہ تکذیب کے ساتھ اپنے قول سے رجوع نہ بھی کرے اس قذف پر اس کی ندامت۔ اور اس سے استغفار اور پھر ایسا نہ کرنے پر عزم کافی ہے۔

یہ ابن جریر کا قول ہے۔ شعبی سے مروی ہے انہوں نے کہا: استثنا تینوں احکام سے ہے جب وہ توبہ کرے اور اس کی توبہ ظاہر ہو تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کی شہادت قبول ہوگی اور اس سے تفسیق زائل ہو جائے گی کیونکہ وہ اب پسندیدہ گواہوں سے ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طٰہٰ:82)

مسئلہ نمبر 22۔ علماء کا اختلاف ہے کہ قاذف کی شہادت کب ساقط ہوگی؟ ابن الماجشون نے کہا: نفس قذف کے ساتھ۔ ابن القاسم، اشہب اور سحنون نے کہا: اس کی شہادت ساقط نہ ہوگی حتی کہ اسے کوڑے لگ جائیں اگر معافی یا کسی اور وجہ سے اسے کوڑے نہ لگائے گئے تو اس کی شہادت رد نہ ہوگی۔ شیخ ابوالحسن لخمی نے کہا: اس کی شہادت عمر کی مدت میں موقوف ہوتی ہے اس قول کو ترجیح دی ہے جب توبہ قذف میں اپنے آپ کو جھٹلانے کے ساتھ ہو ورنہ کونسا رجوع اس کے عدل کے لیے

ہے اگر وہ تہمت لگائے اور اسے حد لگائی گئی ہو اور اپنی عدالت پر باقی ہو۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا اختلاف ہے کہ توبہ کے بعد شہادت کے جواز پر کسی چیز میں شہادت جائز نہ ہوگی۔ امام مالک نے فرمایا: ہر چیز میں مطلقاً شہادت جائز ہے، اسی طرح اس میں بھی جس چیز میں حد لگائی گئی ہو (1)۔ اس کو نافع اور ابن عبد الحکم نے مالک سے روایت کیا ہے؛ یہ ابن کنانہ کا قول ہے۔ وقار نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کی شہادت اس مسئلہ میں خاص طور پر قبول نہیں ہوگی جس میں اسے حد لگائی گئی تھی اس کے علاوہ معاملات میں اس کی گواہی قبول ہوگی؛ یہ مطرف اور ماجشون کا قول ہے۔ عتبی نے اصبغ اور سحنون سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ سحنون نے کہا: جس کو کسی چیز میں حد لگائی گئی ہو تو اس کی مثل میں اس کی شہادت جائز نہ ہوگی۔ مطرف اور ابن الماجشون نے کہا: جس کو قذف یا زنا میں حد لگائی گئی ہو تو زنا، قذف، لعان میں سے کسی چیز میں گواہی قبول نہ ہوگی اگرچہ وہ عادل بھی ہو۔ ان دونوں حضرات نے یہ امام مالک سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ جب کئی معطوفہ جملوں کے بعد استثناء آئے تو وہ امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک تمام جملوں کی طرف لوٹے گی۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے بڑے اصحاب کے نزدیک جو قریب ترین جملہ ہوگا استثنا اس کی طرف لوٹے گی اور وہ فسق ہے۔ اس لیے اس کی شہادت ہمیشہ قبول نہ ہوگی کیونکہ استثنا صرف فسق کی طرف راجع ہے نہ کہ شہادت کی قبولیت کی طرف راجع ہے۔

اس اصل میں اختلاف کے دو سبب ہیں۔ (1) معطوفہ جملے عطف کی وجہ سے ایک جملہ کے حکم میں ہیں یا یہ جملہ اپنے حکم میں مستقل ہے اور حرف عطف صرف محسن ہے مشرک (شریک کرنے والا) نہیں یہ جملوں کے عطف میں صحیح ہے کیونکہ مختلف جملوں کا ایک دوسرے پر عطف صحیح ہے جیسا کہ نحو میں معروف ہے۔

دوسرا سبب۔ استثنا سابقہ جملوں کی طرف لوٹنے میں شرط کے مشابہ ہے کیونکہ شرط فقہاء کے نزدیک تمام کی طرف لوٹتی ہے یا استثنا شرط کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ لغت میں یہ قیاس کے باب سے ہے۔ اور اصل فقہ میں یہ فاسد ہے اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک محتمل ہے اور ترجیح نہیں ہے۔ پس جو قاضی نے وقف کا قول کیا ہے وہ متعین ہو گیا ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کتاب اللہ میں دونوں امر موجود ہیں۔ آیۃ المحاربۃ میں ضمیر بالاتفاق تمام کی طرف راجع ہے اور مومن کو خطاً قتل کرنے کی آیت میں استثنا کا رد بالاتفاق آخری جملہ کی طرف ہے۔ آیت قذف دونوں وجوہ کا احتمال رکھتی ہے پس بغیر شک کے وقف متعین ہو جاتا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ کلی اصولی نظر ہے اور فقہی جزئی نظر کے اعتبار سے امام مالک اور امام شافعی کا قول راجح ہے وہ اس طرح کہ استثنا فسق اور شہادت کی قبولیت کی نہی کی طرف راجع ہے مگر ان کے درمیان ایک خبر کے ساتھ فرق کیا گیا ہے جس کا تسلیم کرنا واجب ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ توبہ کفر کو مٹا دیتی ہے پس جو اس سے کم ہوگا اس کو بدرجہ اولیٰ مٹا دے گی۔ واللہ اعلم۔ ابو عبید نے کہا: استثنا تمام سابقہ جملوں کی طرف راجع ہے۔ انہوں نے کہا: جس نے زنا کی طرف نسبت کی ہے وہ زنا کے مرتکب سے بڑا جرم کرنے والا نہیں، پھر جب زانی توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 165

ہوتی ہے کیونکہ ”گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہوتا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہوتا“ (1)۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے تو بندوں کو اس کی توبہ بدرجہ اولیٰ قبول ہونی چاہیے جبکہ اس استثنا کی مثل قرآن میں کئی جگہ موجود ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا (المائدہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ استثنا تمام جملوں کی طرف راجع ہے۔ زجاج نے کہا قاذف، کافر سے سخت مجرم نہیں۔ پس اس کا حق یہ ہے کہ جب وہ توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اس کی شہادت قبول کی جائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَبَدًا اس کا مطلب ہے جب تک وہ تہمت لگانے والا ہے جیسے کہا جاتا ہے: لا تقبل شهادة الكافر ابداً اس کا مطلب ہے جب تک وہ کافر ہے۔ شعبی نے اس مسئلہ میں مخالفت کرنے والے کو کہا: اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور تم اس کی شہادت قبول نہیں کرتے۔

بعض اصولیین کے نزدیک استثنا آخری جملہ کی طرف راجع ہے اور وہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہے۔ یہ تعلیل ہے مستقل جملہ نہیں یعنی ان کے فسق کی وجہ سے ان کی شہادت قبول نہ کرو جب فسق زائل ہو جائے تو پھر ان کی شہادت قبول کیوں نہیں کی جائے گی؟ پھر تہمت لگانے والے کا توبہ کرنا اپنے نفس کو جھٹلانا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ پر تہمت لگانے والوں کو صحابہ کی موجودگی میں کہا تھا۔ حالانکہ وہ واقعہ بصرہ سے حجاز تک اور دوسرے علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ اگر آیت کی وہ تاویل ہوتی جو کوفیوں نے کی ہے تو صحابہ کرام سے اس کا علم غائب نہ ہوتا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہہ دیتے کہ تہمت لگانے والے کی توبہ ہمیشہ قبول نہیں ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کتاب اللہ کی تاویل کی تحریف کے فیصلہ پر وہ خاموش رہیں ورنہ ان کا قول ساقط ہو جاتا۔ واللہ المستعان۔

مسئلہ نمبر 25۔ قشیری نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب تہمت لگانے والے کو کوڑے نہ لگائے گئے ہوں مثلاً قاذف سے مطالبہ حد کرنے سے پہلے مقذوف مر جائے یا وہ مقدمہ سلطان تک نہ لے جائے یا مقذوف اسے معاف کر دے تو پھر اس کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ خصم کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں شہادت کی قبولیت سے نہی کوڑوں پر معطوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا امام شافعی نے اس مقام پر کہا: یہ حد لگنے سے پہلے حد لگنے کے وقت سے زیادہ برا ہے کیونکہ حدود تو کفارہ ہیں پھر اس کی کیسے شہادت رد کی جائے گی جو دو حالتوں میں سے بہتر حالت میں ہے نہ کہ گھٹیا حالت میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح کہا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور ابن ماجشون سے پہلے روایت ہو چکا ہے کہ قذف کے ساتھ ہی اس کی شہادت رد ہو جائے گی: یہ لیث، اوزاعی اور شافعی کا قول ہے۔ اس کی گواہی رد کر دی جائے گی اگرچہ اسے حد نہ بھی لگی ہو کیونکہ تہمت لگانے کے ساتھ ہی وہ فاسق ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے پس اس کی شہادت قبول نہ ہوگی حتیٰ کہ اس کی

1۔ سنن ابن ماجہ، ذکر التوبۃ، جلد 2، صفحہ 323۔ ایضاً، حدیث 4239، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

برأت صحیح ہوجائے وہ اس طرح کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ زنا کا اقرار کرے یا اس کے خلاف بینہ قائم ہوجائے۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَصْلَحُوْا یعنی توبہ کا اظہار کرے۔ بعض نے کہا: عمل کی اصلاح کرے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ جب وہ توبہ کریں اور ان کی توبہ قبول ہو۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ ۝

''اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے تو ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہے۔ اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا بڑا دانا ہے''۔

اس میں تیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ، اَنْفُسُهُمْ بدل کی بنا پر مرفوع ہے اور استثنا اور یکن کی خبر کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ کوفیوں کی قرأت مبتدا اور خبر کی بنا پر رفع کے ساتھ ہے یعنی ان میں سے ایک کی شہادت جس کی وجہ سے اس سے حد قذف زائل ہوگئی وہ چار شہادتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور ابو عمرو نے اربع کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے(1)، کیونکہ فشهادة کا معنی أن یشهد ہے۔ تقدیر اس طرح ہے: فعلیهم أن یشهد أحدهم أربع شهادات یا یہ تقدیر ہوگی: فالأمر أن یشهد أحدهم أربع شهادات دوسری صورت میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ شہادت کی وجہ سے منصوب ہے۔ الخامسة مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر ان اور اس کا صلہ ہے اور ان مخففہ کا معنی مثقلہ کے معنی کی طرح ہے کیونکہ اس کا معنی ہے انه۔ ابو عبد الرحمن، طلحہ اور عاصم نے حفص کی روایت میں الخامسة نصب کے ساتھ پڑھا ہے بمعنی وتشهد الشهادة الخامسة اور باقی قراء نے ابتدا کی بنا پر رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور خبر اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ہے یعنی الشهادة الخامسة قوله لعنة الله علیه۔

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 18، صفحہ 100

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کے نزول کا سبب وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کرنے کی تہمت لگائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دلیل پیش کرو ورنہ پیٹھ پر حد قذف ہوگی'' (1)۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو وہ دلیل تلاش کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے ''دلیل پیش کرو ورنہ تیری پیٹھ پر حد ہوگی''۔ ہلال نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں سچا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں ایسی چیز نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بری کرے گی تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ آپ نے لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ تک تلاوت کی۔ بعض علماء نے فرمایا جب سابقہ آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ نازل ہوئی اس کا ظاہر ازواج (خاوندوں) اور دوسروں کو شامل تھا۔ حضرت سعد بن معاذ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو میں اسے چھوڑے رکھوں حتی کہ میں چار گواہ لے آؤں۔ اللہ کی قسم! میں اسے تلوار کی دھار سے ماروں گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے'' (2)۔ حضرت سعد کے الفاظ میں روایات مختلف ہیں مفہوم ایک جیسا ہے۔ پھر اس کے بعد ہلال بن امیہ واقفی آئے اس نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء بلوی کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حد قذف لگانے کا عزم کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال اور اس کی بیوی کو مسجد میں جمع کیا اور انہوں نے لعان کیا۔ پانچویں مرتبہ قسم اٹھانے سے عورت ہچکچائی جب اسے نصیحت کی گئی اور کہا گیا کہ اس مرتبہ کی گواہی فیصلہ کن ہوگی۔ پھر کہنے لگی: میں ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کو رسوا نہیں کرتی پس اس نے لعان مکمل کر دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان جدائی کر دی اس نے ایک بچہ جنم دیا جو مٹیالے اونٹ کی طرح تھا، اس صفت پر جو ناپسندیدہ تھی پھر اس کے بعد وہ بچہ مصر کا امیر بنا جبکہ وہ اپنا باپ نہیں جانتا تھا۔ عویمر عجلانی آیا تھا اس نے بھی اپنی بیوی پر تہمت لگائی تھی اور لعان کیا تھا۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت ہلال کا واقعہ پہلے تھا اور وہی آیت کے نزول کا سبب تھا۔ بعض نے کہا: عویمر بن اشقر کا واقعہ پہلے تھا۔ یہ حدیث مشہور ہے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔ ابو عبداللہ بن ابی صفرہ نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے والا عویمر تھا اور ہلال بن امیہ غلطی ہے۔ طبری نے کہا: حدیث میں ہلال بن امیہ کا قول منکر ہے کیونکہ تہمت لگانے والا عویمر بن زید بن الجد بن عجلانی تھا وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوا تھا اس نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کرنے کی تہمت لگائی تھی۔ سحماء اس کی والدہ تھی۔ بعض نے کہا: اس کو سحماء اس کے کالے ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور وہ ابن عبدہ بن الجد بن عجلانی مؤرخین اور اہل الاخبار نے اسی طرح کہا ہے۔ بعض علماء نے کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ میں یہ آیات پڑھیں: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ تو عاصم بن عدی انصاری نے کہا: اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ اگر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے پیٹ پر پائے پھر اس نے بات کی اور جو مسئلہ جاری ہوا تھا اس کے متعلق خبر دی اسے

1۔ صحیح بخاری، باب اذا ادعی او قذف فلہ ان یلتمس البینۃ، جلد 1، صفحہ 367　　2۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1، صفحہ 491

اسی (80) کوڑے لگائے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس وقت ہم میں سے کسی کے لیے چار گواہ لانا کیسے ممکن ہے۔ اور وہ چار گواہ تلاش کرنے کے لیے جائے گا تو وہ مرد اپنی خواہش پوری کر چکا ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عاصم بن عدی! اسی طرح حکم نازل ہوا ہے''۔ عاصم یہ حکم سنتے ہوئے اور اطاعت کرتے ہوئے باہر نکلا۔ اسے ہلال بن امیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ) پڑھتے ہوئے ملا۔ عاصم نے پوچھا کیا ہوا۔ اس نے کہا: بہت برا ہوا ہے۔ میں نے شریک بن سحماء کو اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر اس کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ خولہ عاصم بن عدی کی بیٹی تھی۔ اس طریق میں اسی طرح ہے کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک کو پایا تھا وہ ہلال بن امیہ تھا۔ صحیح اس کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ کلبی نے کہا: اظہر یہ ہے کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک کو پایا تھا وہ عویمر عجلانی تھا کیونکہ کثرت سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر اور اس کی بیوی میں لعان کرایا تھا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ زانی شریک بن عبدہ تھا اس کی ماں سحماء تھی۔ عویمر اور خولہ بنت قیس اور شریک عاصم کے چچا کی اولاد تھے۔ یہ واقعہ شعبان 9ھ میں ہوا تھا جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ لوٹے تھے؛ یہ طبری کا قول ہے۔ اور دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان ہوا تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تھے۔ عویمر نے اس کے حمل کا انکار کیا تھا جو اس کے پیٹ میں تھا۔ عویمر نے کہا: یہ ابن سحماء کا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر کو فرمایا: ''اپنی بیوی کو لے آؤ تمہارے متعلق قرآن نازل ہوا ہے'' (1)۔ پس ان کے درمیان عصر کے بعد ایک قالین پر منبر کے پاس لعان ہوا تھا۔ اس کے طریق میں سے واقدی عن ضحاک بن عثمان عن عمران بن ابی انیس بھی ہے فرمایا: میں نے عبداللہ بن جعفر کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ آگے پورا واقعہ بیان کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ یہ ہر تہمت لگانے والے میں عام ہے۔ خواہ وہ کہے: تو نے زنا کیا ہے یا کہے: اے زانیہ! یا کہے: میں نے اسے زنا کرتے ہوئے دیکھا یا کہے: یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ یہ آیت تمام صورتوں کو شامل ہے۔ اگر وہ خاوند چار گواہ نہ لائے تو لعان واجب ہوگا؛ یہ جمہور علماء اور عام فقہاء اور اہل حدیث کی جماعت کا نظریہ ہے۔ امام مالک سے اس کی مثل مروی ہے۔ امام مالک فرماتے تھے: لعان نہیں ہوگا مگر یہ کہ خاوند کہے میں نے تجھے زنا کرتے ہوئے دیکھا یا اس کے حمل کی نفی کرے یا اس کے بچہ کی نفی کرے۔ ابو الزناد، یحییٰ بن سعید اور البتی کا قول امام مالک کے قول کی طرح ہے کہ لعان تہمت لگانے سے واجب نہ ہوگا۔ یہ زنا کرتے ہوئے دیکھنے یا استبرا کے دعویٰ کے ساتھ حمل کی نفی کرے۔ یہ امام مالک کے نزدیک مشہور ہے یہ ابن القاسم کا قول ہے۔ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ کا قول عام ہے۔ ابن عربی نے کہا: قرآن کا ظاہر بغیر دیکھنے کے صرف تہمت لگانے سے لعان کے ایجاب کے لیے کافی ہے۔ پس قرآن کے ظاہر پر اعتماد کرو خصوصاً جبکہ حدیث صحیح میں بھی ہے۔ بتاؤ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آ'' (2)۔ آپ نے اسے دیکھنے کے ذکر کرنے کا مکلف نہیں کیا اور علماء کا اجماع ہے

1۔ سنن دارقطنی، کتاب فی النکاح، جلد 2، صفحہ 277
2۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1، صفحہ 488

کہ اندھا جب اپنی بیوی پر تہمت لگائے گا تو لعان ہوگا اگر دیکھنا لعان کے لیے شرط ہوتا تو اندھا لعان نہ کرتا؛ یہ ابوعمر کا قول ہے۔ ابن قصار نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اندھے کا لعان صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کہے: میں نے مرد کی فرج کو عورت کی فرج میں چھوا۔ امام مالک اور اس کے متبعین کی حجت ابوداؤد کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرمایا: ہلال بن امیہ آیا یہ ان تین افراد میں سے ہے جن کی توبہ قبول کی گئی تھی وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس آیا اس نے اپنے گھر والوں کے پاس ایک شخص دیکھا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا پھر اسے کچھ نہ کہا حتی کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر والوں کے پاس عشاء کے وقت آیا میں نے ان کے پاس ایک شخص کو پایا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا(1)۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کو پسند نہ فرمایا اور اس پر سختی کی تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ(2)، یہ نص ہے کہ وہ لعان جس کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا وہ دیکھنے کی صورت میں تھا۔ پس اس سے تجاوز کرنا درست نہیں جس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی اور دیکھنے کا ذکر نہیں کیا تو اسے حد لگائی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب حمل کی نفی کرے تو لعان ہوگا کیونکہ یہ دیکھنے سے اقویٰ ہے اس کے بعد وطی کے نہ کرنے اور استبرا کا ذکر ضروری ہے۔ ہمارے علماء کا استبرا کے بارے میں اختلاف ہے۔ مغیرہ اور ایک قول میں امام مالک نے کہا: اس میں ایک حیض کافی ہے۔ امام مالک نے یہ بھی کہا کہ وہ نفی نہ کرے مگر تین حیض کے ساتھ(3)۔ صحیح پہلا قول ہے رحم کی برأت تو ایک حیض سے بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ لونڈی کے استبرا میں ہے اور ہم نے عدت میں تین حیضوں کی رعایت رکھی ہے دوسرے حکم کی وجہ سے جس کا بیان ان شاء اللہ سورۂ طلاق میں آئے گا۔ لخمی نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا: استبرا کے ساتھ بچے کی نفی نہیں کی جائے گی کیونکہ حیض حمل میں بھی آتا ہے؛ یہی اشہب نے ابن المواز کی کتاب میں کہا ہے۔ یہی قول مغیرہ کا ہے اور انہوں نے کہا: بچے کی نفی نہیں کی جائے گی(4) مگر پانچ سال کے ساتھ کیونکہ یہ اکثر مدت حمل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ہمارے نزدیک لعان میاں، بیوی کے درمیان ہوگا خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام ہوں، مومن ہوں یا کافر ہوں، فاسق ہوں یا عادل ہوں۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ آزاد آدمی اور اس کی لونڈی کے درمیان اور ام ولد کے درمیان لعان نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا: لونڈی کے بچے کی نفی نہ ہوگی مگر ایک قسم کے ساتھ بخلاف لعان کے۔ بعض علماء نے کہا: جب ام ولد کے بچے کی نفی کرے گا تو لعان ہوگا۔ پہلا قول امام مالک کا مذہب ہے اور وہی صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: لعان صحیح نہیں ہے مگر دو آزاد مسلمان میاں بیوی کے درمیان کیونکہ لعان امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہادت ہے۔ ہمارے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک قسم ہے اور ہر وہ شخص جس کی قسم صحیح ہے اس کا قذف اور لعان بھی صحیح ہے اور علماء کا اتفاق ہے

1۔ اسباب النزول، صفحہ 164
2۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، حدیث 1923
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 164
4۔ ایضاً

کہ میاں بیوی کے لیے مکلف ہونا ضروری ہے اور عویمر کے قول ''کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے'' یہ دلیل ہے کہ لعان میاں، بیوی کے درمیان ہوگا کیونکہ کسی مرد سے مرد کو اور عورت کو عورت سے خاص نہیں کیا اور لعان کی آیت اس جواب پر نازل ہوئی فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ کسی خاوند کو خاص نہیں کیا فرمایا: یہی امام مالک اور اہل مدینہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی، احمد، اسحاق، ابوعبید اور ابوثور کا قول ہے اور لعان نکاح کے فسخ کا موجب ہے پس یہ طلاق سے مشابہ ہے اور جس کی طلاق جائز ہے اس کا لعان بھی جائز ہے۔ لعان قسمیں ہیں شہادت نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو سب کہنے والوں سے سچا ہے: لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا (المائدہ: 107) یعنی ایماننا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون) پھر فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المجادلہ: 16) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر قسمیں نہ ہوتیں تو میرے لیے اور اس کے لیے، اور معاملہ ہوتا'' (1) اور رہے وہ دلائل جن سے امام ابوحنیفہ اور ثوری نے حجت پکڑی ہے وہ قوی نہیں ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے اس کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار افراد ایسے ہیں جن کے درمیان لعان نہیں ہے آزاد اور لونڈی کے درمیان لعان نہیں ہے، آزاد عورت اور غلام خاوند کے درمیان لعان نہیں ہے، مسلمان مرد اور یہودی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے، مسلمان مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے''۔ اس حدیث کو دارقطنی نے کئی طرق سے روایت کیا ہے اور تمام کے تمام ضعیف ہیں۔ اوزاعی اور ابن جریج سے مروی ہے وہ دونوں امام ہیں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے یہ قول مروی ہے اور انہوں نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں کیا ہے اور نظر کی حجت سے اس طرح حجت پکڑی ہے کہ جب خاوندوں کی جملہ شہداء (گواہ) سے استثناء کی گئی ہے، ارشاد فرمایا: وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ تو واجب ہے کہ لعان نہ کیا جائے مگر جس کی شہادت جائز ہو اگر یہ قسم ہوتی تو رد نہ کی جاتی اور ان کی تردید میں حکمت تعداد میں اس کو زنا میں شہود کے قائم مقام کرنا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ قسامت کی یمین کے ساتھ باطل ہے اس کا تکرار کیا جاتا ہے۔ اور بالاجماع وہ شہادت نہیں ہے اور اس کے تکرار میں حکمت فروج اور خونوں میں تغلیظ ہے۔ ابن عربی نے کہا: قول فیصل یہ ہے کہ یہ قسمیں ہیں شہادت نہیں کیونکہ خاوند اپنے لیے اپنے دعویٰ کے اثبات میں اور اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لیے قسمیں اٹھاتا ہے اور کسی کے لیے یہ کیسے جائز ہوگا کہ وہ شریعت میں دعویٰ کرے کہ گواہ اپنے لیے ایسی گواہی دے گا جو غیر پر کوئی حکم ثابت کر دے گی۔ یہ اصل میں بعید ہے اور نظر میں معدوم ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ گونگے کے لعان کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: وہ لعان کرے گا کیونکہ اس کی طلاق، ظہار اور ایلاء صحیح ہے جب اس کے اشارہ سے سمجھا جائے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وہ لعان نہیں کرے گا کیونکہ وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ زبان سے دی جاتی ہے، پس لعان نہیں ہوگا اور ہمارے لیے اس پر حد لگانا ممکن نہیں ہے۔ یہ مفہوم سورۂ مریم میں گزر چکا ہے۔ اور دلیل بھی بیان ہو چکی ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب فی اللعان، جلد 1، صفحہ 307۔ ایضاً، حدیث 1923، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 7۔ ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ آیت کے عموم کا اعتبار کرتے ہیں اس لیے فرمایا: جب کوئی مرد اپنی بیوی پر اس سے شادی کرنے سے پہلے تہمت زنا لگائے تو وہ لعان کرے گا۔ اور وہ یہ بھول گئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اس نے محصنۃ پر تہمت لگائی ہے، زوجہ پر تہمت نہیں لگائی ہے۔ لعان اس قذف (تہمت) میں ہوتا ہے جس میں نسب لاحق ہو اور یہ ایسا قذف ہے جس میں نسب لاحق نہیں ہوتا۔ پس لعان کو ثابت نہیں کرے گا جیسے اگر وہ کسی اجنبیہ پر تہمت لگاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ جب طلاق کے بعد عورت پر خاوند تہمت لگائے تو وہ دیکھے اگر وہاں نسب ہے جس کی وہ نفی کرنا چاہتا ہے یا کوئی حمل ہے جس سے براءت چاہتا ہے تو لعان ہوگا ورنہ لعان نہیں ہوگا۔ عثمان البتی نے کہا: کسی حال میں لعان نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: دونوں صورتوں میں لعان نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ یہ اس مسئلہ کے خلاف ہو جاتا ہے جب زوجیت میں لانے سے پہلے تہمت لگاتا ہے جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ اولیٰ ہے کیونکہ نکاح ہو چکا ہے اور وہ نسب سے نفی کرنا چاہتا ہے اور اس بچے سے برأت چاہتا ہے جو اسے لاحق کیا جاتا تھا۔ پس لعان ضروری ہے جب وہاں ایسا حمل نہ ہو جس کی امید ہو اور نہ نسب ہو جس کے تعلق کا خوف ہو۔ لعان کا کوئی فائدہ نہیں پس لعان کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ یہ مطلق قذف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ کے عموم کے تحت داخل ہے۔ پس اس پر حد ہوگی اور جو البتی نے کہا اس کے فساد کے ظہور کی وجہ سے وہ باطل ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ عدت کے ختم ہونے کے بعد میاں، بیوی میں لعان نہ ہوگا مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ ہے کہ مرد غائب ہو اور عورت بچہ جنم دے اس کے غائب ہونے کی حالت میں جبکہ اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے بچہ جنم دیا ہے۔ پس وہ اسے طلاق دیتا ہے پھر اس کی طلاق کی عدت گزر جاتی ہے بعد میں وہ آتا ہے اور اس بچہ کی نفی کرتا ہے تو اس کے لیے اس عورت سے عدت کے بعد لعان کرنا جائز ہے اسی طرح اگر وہ عورت کی وفات کے بعد آیا اور بچے کی نفی کی تو وہ اپنے لیے لعان کرے گا جبکہ وہ عدت کی مدت کے بعد مر چکی ہے اور وہ مرد اس کا وارث بنے گا کیونکہ وہ ان کے درمیان فرقت کے وقوع سے پہلے فوت ہو گئی تھی۔

مسئلہ نمبر 10۔ جب حمل کی نفی کرے اور وہ اس کی شرط کے ساتھ واقع ہو تو وضع حمل سے پہلے لعان کرے گا؛ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وضع حمل کے بعد لعان کرے گا کیونکہ ممکن ہے کہ پیٹ میں ہوا ہو یا کوئی بیماری ہو اور ہماری دلیل نص صریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع سے پہلے لعان کرایا اور فرمایا: ”اگر وہ ایسا ایسا بچہ جنم دے گی تو وہ اپنے باپ کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا بچہ جنم دے گی تو وہ فلاں کا ہوگا“ (1) تو اس عورت نے ناپسندیدہ صفت پر بچہ جنم دیا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اگر مرد اپنی بیوی پر دبر میں وطی کی تہمت لگائے تو لعان کرے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: لعان نہیں کرے گا۔ ان کی بنیاد ان کی اصل پر ہے کہ لواطت سے حد ثابت نہیں ہوتی۔ یہ فاسد ہے کیونکہ تہمت لگانا ایک فساد ہے اور یہ اس ارشاد کے عموم کے تحت داخل ہے: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ یہ مسئلہ سورۃ الاعراف اور سورۃ المومنون میں گزر چکا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، من اظہر الفاحشۃ واللطخ والتہمۃ بغیر بینۃ، جلد 2، صفحہ 1013

مسئلہ نمبر12۔ ابن العربی نے کہا: اس شخص کے عجیب مسئلہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی اور بیوی کی ماں پر زنا کی تہمت لگائے اگر اسے ماں کی وجہ سے حد لگائی جائے گی تو بیٹی کی حد ساقط ہو جائے گی اگر بیٹی کی وجہ سے لعان ہوگا تو ماں کی وجہ سے حد ساقط نہ ہوگی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ میں نے اس میں ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو حکایت کی گئی ہو۔ یہ بالکل باطل ہے کیونکہ آیت کے عموم کو ماں کی حد کی وجہ سے بیٹی میں خاص کیا ہے اور وہ زوجہ ہے۔ اس میں نہ کوئی اثر ہے اور نہ اصل ہے جس پر اس نے قیاس کیا ہو۔

مسئلہ نمبر13۔ جب اپنی بیوی پر تہمت لگائے پھر وہ لعان سے پہلے زنا کرلے تو نہ حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ ثوری اور مزنی نے کہا: قاذف سے حد ساقط نہ ہوگی اور تہمت لگائے جانے کے بعد مقذوف کا زنا اس کی متقدم حصانت میں قدح کا باعث نہیں ہے اور وہ اسے نہیں اٹھائے گا کیونکہ حصانت اور عفت کا اعتبار حالت قذف میں ہے نہ کہ اس کے بعد ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان پر قذف لگائے پھر مقذوف مرتد ہو جائے قذف کے بعد اور قاذف کو حد لگانے سے پہلے تو اس سے حد ساقط نہ ہوگی۔ نیز حدود تمام وجوب کے وقت معتبر ہوتی ہیں نہ کہ حدود کے قائم کرنے کے وقت معتبر ہوتی ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان اور حد کے حصول سے پہلے ایک معنیٰ ظاہر ہو چکا ہے اگر وہ ابتدا میں موجود ہوتا تو لعان کی صحت اور حد کے وجوب کے مانع ہوتا۔ اسی طرح جب دوسرے میں طاری ہو جیسے دو گواہ گواہی دیں جن کا ظاہر عدالت ہو اور حاکم نے ان کی شہادت کے ساتھ فیصلہ نہیں دیا حتی کہ زنا کرے یا شراب پینے کے ساتھ ان کا فسق ظاہر ہو جائے تو حاکم کے لیے جائز نہیں کہ ان کی اس شہادت کے ساتھ فیصلہ دے۔ اسی طرح عفت و احصان کا حکم ظاہر کے طریق سے ہوگا قطع اور یقین کی حیثیت سے نہ ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی پیٹھ محفوظ ہے'' (1)۔ قاذف کو حد نہیں لگے گی مگر دلیل قطعی کے ساتھ۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ نمبر14۔ جس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی جبکہ وہ اتنی عمر میں بڑی ہے کہ اسے حمل نہیں ہوتا تو لعان ہوگا اور وہ حد کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گا اور یہ عذاب کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گی۔ اگر وہ بالکل چھوٹی ہو جس کو حمل نہیں ہو سکتا تو لعان ہوگا مرد حد کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گا اور وہ لعان نہیں کرے گی کیونکہ اگر اقرار کرے تب بھی اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ ابن الماجشون نے کہا: اس قاذف پر حد نہیں ہے جو نابالغ پر تہمت لگائے (2)۔ لخمی نے کہا: اس بنا پر چھوٹی بچی کے خاوند پر لعان نہیں ہے جو حاملہ نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ نمبر15۔ جب کسی عورت پر چار گواہ زنا کی گواہی دیں ایک ان میں سے اس کا خاوند ہو۔ خاوند لعان کرے گا اور باقی تین کو حد لگے گی؛ یہ امام شافعی کا ایک قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہیں حد نہیں لگائی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب خاوند اور تین اور شخص ابتداءً شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور عورت کو حد لگائے جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جس نے محصن پر تہمت لگائی اور چار گواہ نہ لایا

1۔ صحیح بخاری، ظهر المؤمن حمى إلا في حد أو حق، جلد 2، صفحہ 1003　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 167

تو اس کو حد لگائی جائے گی اس کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ تہمت لگانے والے کے علاوہ چار گواہ لائے اور خاوند اپنی بیوی پر تہمت لگانے والا ہے۔ پس وہ اس سے خارج ہو گیا کہ وہ گواہوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب عورت کا حمل ظاہر ہوا پھر خاوند نے اس کی نفی کو ترک کر دیا تو سکوت کے بعد اس کو نفی کرنے کا حق نہیں۔ شریح اور مجاہد نے کہا: اس کو ہمیشہ نفی کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ خطا ہے کیونکہ علم کے بعد اس کا سکوت رضا ہے جیسے اگر پہلے اقرار کرے پھر نفی کرے تو اس کی نفی قبول نہ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر اس نے نفی کو موخر کیا یہاں تک کہ اس نے وضع حمل کر لیا اور اس نے کہا: ہو سکتا ہے ہوا ہو یا وہ اسے گرا دے تو قذف سے میں راحت پاؤں گا۔ کیا اس کے وضع حمل کے کچھ عرصہ بعد نفی کر سکتا ہے جب وہ اس عرصہ سے تجاوز کرے گا تو اسے نفی کا اختیار نہ ہو گا۔ اس میں اختلاف ہے ہم کہتے ہیں: جب اس کو سکوت میں کوئی عذر نہ ہو حتی کہ تین دن گزر گئے اور وہ اس پر راضی تھا تو اب اس کے لیے نفی کرنا جائز نہیں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے نیز انہوں نے فرمایا: جب اس کے لیے نفی کرنا ممکن تھا جیسا کہ عادت جاری ہے حاکم کی طرف اس کے لیے نفی ممکن تھی پھر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے بعد اس کے لیے نفی کرنا جائز نہ ہو گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: میں مدت کا اعتبار نہیں کرتا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اس میں چالیس دن معتبر ہوں گے یعنی مدت نفاس۔ ابن القصار نے کہا: ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ اپنے بچے کی نفی کرنا اس پر حرام کیا گیا ہے۔ اور بچے کا لاحق کرنا اس پر حرام نہیں کیا گیا پس اس پر وسعت کرنا ضروری ہے تاکہ غور وفکر کر لے۔ کیا اس کے لیے نفی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے حد کو تین دن بتایا ہے کیونکہ یہ کثرت کی ابتدائی حد ہے اور قلت کی حد کا آخر ہے تین دن مدت رکھی ہے کیونکہ اس کے ساتھ مصراۃ (جس کا دودھ روکا گیا ہو) حال معلوم کیا جاتا ہے۔ پس یہاں بھی یہی ہونا چاہیے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ان کا اعتبار، مدت ولادت اور رضاع کے اعتبار سے اولیٰ نہیں ہے کیونکہ شریعت میں ان کی کوئی شہادت نہیں ہے جبکہ ہم نے شریعت میں مصرات کی مدت سے شاہد ذکر کر دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ ابن القصار نے کہا: جب عورت اپنے خاوند یا کسی اجنبی شخص کو کہے: یازانیہ ھاء کے ساتھ اور اسی طرح اجنبی، اجنبی کو کہے تو اس میں اپنے اصحاب کی نص نہیں دیکھتا لیکن میرے نزدیک یہ قذف ہو گا اور ایسا کہنے والے پر حد ہو گی اور اس نے ایک حرف زائدہ کیا ہے۔ اور یہی امام شافعی اور امام محمد بن حسن کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف نے کہا: یہ قذف نہ ہو گا اور علماء کا اتفاق ہے جب کوئی اپنی بیوی کو کہے: یازان تو قذف ہو گا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ مراد میں قذف ہے یہ خطاب ہے جب اس کا معنی سمجھا جائے گا تو اس کا حکم ثابت ہو گا خواہ وہ عجمی لفظ ہو یا عربی لفظ ہو۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اس نے جب عورت کو کہا: زینت (تاء کے فتحہ کے ساتھ) تو قذف ہو گا کیونکہ اس کا معنی اس سے سمجھا جا رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ مونث کو مذکر کے خطاب کے ساتھ مخاطب کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَقَالَ نِسْوَةٌ** (یوسف: 30) تو یازان کا قول مونث کے لیے قذف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جب مذکر کا فعل مونث لانا جائز نہیں جب وہ اس پر مقدم ہو اور مونث کو اس کے ساتھ خطاب کرنے کی وجہ سے حکم ثابت نہ ہو گا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 19۔ نکاح فاسد میں بھی اپنی بیوی سے لعان کرے گا کیونکہ وہ اس کی فراش ہوگئی تھی اور اس میں نسب لاحق ہوگا؛ پس اس پر لعان بھی جاری ہوگا۔

مسئلہ نمبر 20۔ جب خاوند لعان کرنے سے انکار کر دے تو علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس پر حد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اجنبی پر حد رکھی ہے اور خاوند پر لعان۔ جب لعان، اجنبی کی طرف منتقل نہیں ہوتا تو حد بھی خاوند کی طرف منتقل نہ ہوگی اور اسے قید کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ لعان کرے کیونکہ حدود قیاساً مؤخر نہیں کی جاتی ہیں۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور نے کہا: جب خاوند لعان نہیں کرے گا تو اسے حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے لیے لعان پر برأت تھی جیسے اجنبی کے لیے شہود (گواہ) ہوتے ہیں اگر اجنبی شخص چار گواہ نہ لائے تو اسے حد لگائی جاتی ہے اسی طرح خاوند لعان نہیں کرے گا تو اس کو حد لگائی جائے گی۔ عجلانی کی حدیث میں جو ہے وہ اس پر دلیل ہے اس نے کہا تھا: اگر میں خاموش ہوں گا تو غصہ پر خاموش ہوں گا اگر میں قتل کروں گا تو مجھے قتل کیا جائے گا اور اگر میں بولوں گا تو مجھے کوڑے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا خاوند کے لیے گواہوں کے ساتھ لعان ہوگا؟ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: وہ لعان کرے گا خواہ اس کے لیے گواہ ہوں یا گواہ نہ ہوں کیونکہ گواہوں کا حد کو دور کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔ رہا فراش کا اٹھنا اور بچے کی نفی تو اس میں ضرور لعان ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: لعان خاوند کے لیے ہے جب اس کے لیے اپنی ذات کے علاوہ گواہ نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ۔

مسئلہ نمبر 22۔ لعان میں آغاز اس سے ہوگا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا اور وہ خاوند ہے اس کا فائدہ اس کا حد کو دور کرنا ہے اور اپنے سے نسب کی نفی کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دلیل پیش کرو ورنہ تیری پیٹھ پر حد لگے گی''۔ اگر عورت سے لعان کا آغاز کیا گیا تو جائز نہ ہوگا کیونکہ جو ترتیب اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا برعکس ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جائز ہوگا۔ یہ درست نہیں کیونکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ لوٹے اور نہ کوئی ایسا مفہوم ہے جو اسے تقویت دے بلکہ ہمارے لیے معنی ہے کیونکہ عورت جب لعان سے آغاز کرے گی تو وہ اس کی نفی کرے گی جو اس نے ثابت بھی نہیں کیا اور اس کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ نمبر 23۔ لعان کی کیفیت یہ ہے کہ حاکم لعان کرنے والے مرد سے کہے کہ تو کہہ: اشهد بالله میں نے اسے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں نے زانی کی فرج اس کی فرج میں اس طرح دیکھی ہے جس طرح سرمہ دانی میں سرچو اور میں نے اسے دیکھنے کے بعد اس سے وطی نہیں کی۔ اگر چاہے تو تو کہے اس نے زنا کیا ہے اور اس کے زنا کے بعد میں نے اس سے وطی نہیں کی۔ ان دو لفظوں میں سے جو چاہے چار مرتبہ بیان کرے اگر وہ ان قسموں سے یا ان میں سے ایک سے انکار کرے گا تو اسے حد لگائی جائے گی۔ اور جب وہ حمل کی نفی کرے گا تو کہے گا: اشهد بالله میں نے اس سے استبرا کیا ہے اور اس کے بعد میں نے اس سے وطی نہیں کی تھی اور یہ حمل مجھ سے نہیں ہے اور حمل کی طرف اشارہ کرے اور وہ چار مرتبہ یہ قسم اٹھائے اور ہر قسم میں کہے: میں نے اس کے بارے میں جو کہا ہے اس میں میں سچوں میں سے ہوں پھر پانچویں مرتبہ کہے:

علی لعنۃ اللہ إن کنت من الکاذبین۔ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹے لوگوں سے ہوں۔ اگر چاہے تو یہ کہے: اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس کے بارے میں کہا: جب وہ یہ کہے گا تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اس سے بچے کی نفی ہو جائے گی۔ جب مرد لعان سے فارغ ہو جائے گا تو اس کے بعد عورت کھڑی ہو گی اور چار قسمیں اٹھائے گی وہ اس میں کہے گی: اشھد باللہ وہ جھوٹا ہے یا وہ جو میرے بارے اس نے دعویٰ کیا ہے اور جو میرے بارے اس نے ذکر کیا ہے اس میں جھوٹوں میں سے ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو تو کہے: میرا یہ حمل اس سے ہے پھر پانچویں مرتبہ کہے: وعلیّ غضب اللہ إن کان صادقاً، مجھ پر اللہ کا غضب ہو گا اگر وہ سچا ہے یا کہے: اگر وہ اس قول میں سچوں میں سے ہے اور جس نے قذف کے ساتھ لعان کو واجب کیا وہ ان چار شہادتوں میں سے ہر شہادت میں کہے گا: اشھد باللہ میں اس میں سچوں میں سے ہوں جو میں نے فلانی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گا: علیّ لعنۃ اللہ إن کنتُ کاذباً فیما رمیتھا بہ من الزنا، یعنی مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور عورت کہے گی: اشھد باللہ اس نے جو مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گی: مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے جو اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: لعان کرنے والا کہے: اشھد باللہ میں سچوں میں سے ہوں اس میں جو میں نے اپنی زوجہ فلانۃ بنت فلاں پر تہمت لگائی ہے اور اگر وہ موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ کرے۔ مرد یہ چار مرتبہ کہے: پھر امام اسے وعظ و نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اسے یاد دلائے اور کہے: میں ڈرتا ہوں کہ اگر سچا نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہو گا اور اگر وہ دیکھے کہ وہ پانچویں مرتبہ کہنا چاہتا ہے تو حاکم کسی کو حکم دے کہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھے اور اسے کہے: تیرا یہ قول کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں، حکم کو ثابت کر دے گا اگر وہ انکار کرے کہ وہ قسم اٹھائے گا تو وہ کہے: مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں اس میں جو میں نے فلاں پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ انہوں نے ابوداؤد کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھے پانچویں مرتبہ کہنے سے پہلے اور اسے کہے کہ یہ حکم ثابت کر دے گی(1)۔

مسئلہ نمبر 24۔ علماء کا اختلاف ہے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی عورت پر کسی شخص کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی اور اس مرد کا نام بھی لے لیا کیا اسے حد لگائی جائے گی یا نہیں؟ امام مالک نے فرمایا: اس پر اس کی بیوی کی وجہ سے لعان ہو گا اور جس شخص پر اس نے تہمت لگائی اس کی وجہ سے خاوند پر حد ہو گی؛ یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ اس نے اس پر تہمت لگائی جس کو تہمت لگانے کی اسے ضرورت نہ تھی۔ امام شافعی نے فرمایا: اس شخص (خاوند) پر حد ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی پر تہمت لگانے والے پر صرف ایک حد لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اس میں کوئی تفریق نہیں جس نے متعین شخص کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ عجلانی نے اپنی بیوی پر شریک کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی تھی اسی طرح ہلال بن امیہ نے کہا تھا تو اسے ایک حد لگائی گئی۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے لیے قرآن کا ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

1۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، حدیث 1922، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے اجنبی اور بیوی کے قذف میں مطلق حد رکھی ہے پھر بیوی کی حد کو لعان کے ساتھ خلاصی پانے کے ساتھ خاص کیا ہے اور مطلق آیت پر اجنبی باقی ہے۔ عجلانی کو شریک کی وجہ سے اور ہلال کو شریک کی وجہ سے حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ اس نے حد کا مطالبہ ہی نہیں کیا تھا اور حد قذف مطالبہ کے بعد امام ہی قائم کرے گا اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 25۔ جب لعان کرنے والے لعان سے فارغ ہو جائیں تو وہ آپس میں جدا ہو جائیں گے ہر ایک اپنے ساتھی سے جدا ہو کر مسجد کے اس دروازے سے نکلے گا جس سے اس کا ساتھی نہ نکلا ہو گا۔ اگر دونوں ایک دروازہ سے بھی نکلیں تو ان کے لعان کو کوئی نقصان نہ ہو گا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ لعان جامع مسجد میں ہو گا جس میں جمعہ ہوتا ہو، سلطان یا اس کے قائم مقام کی موجودگی میں ہو گا۔ اہل علم کی ایک جماعت نے مستحب قرار دیا ہے کہ لعان جامع مسجد میں عصر کے بعد ہو اور نصرانی عورت اپنے مسلمان خاوند سے لعان اس جگہ کرے گی جس کی وہ تعظیم کرتی ہے جیسے کنیسہ۔ جیسا کہ مسلمان عورت اس جگہ لعان کرتی ہے جس کی وہ تعظیم کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ امام مالک اور اس کے اصحاب نے کہا: لعان مکمل ہونے کے ساتھ لعان کرنے والوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔ وہ کبھی جمع نہیں ہوں گے اور کبھی ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے اور مرد کے لیے کبھی بھی اس عورت سے رجوع حلال نہیں نئے خاوند سے پہلے بھی اور بعد میں بھی؛ یہ لیث بن سعد، زفر بن ہذیل اور اوزاعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن نے کہا: لعان سے فارغ ہونے کے ساتھ فرقت واقع نہ ہو گی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کرے؛ یہ ثوری کا قول ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کی اور فرقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاسبیل لك علیھا(1) تیرے لیے اس پر کوئی سبیل نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: جب خاوند شہادت اور لعان کو مکمل کرے گا تو اس کی بیوی کا فراش ہونا زائل ہو جائے گا خواہ عورت لعان کرے یا نہ کرے۔ فرمایا: عورت کا لعان کرنا یہ اپنے آپ سے حد کو دور کرنے کے لیے ہے اور کوئی اس کا مقصد نہیں اور عورت کے فراش کے زوال میں عورت کے لعان کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب خاوند کا لعان بچے کی نفی کرتا ہے اور حد کو اٹھا دیتا ہے تو فراش (عورت کا بستر ہونا) اٹھ جائے گا۔ عثمان البتی کے نزدیک لعان میاں بیوی کی عصمت سے کچھ کمی نہیں کرتا حتیٰ کہ خاوند اسے طلاق دے۔ یہ ایسا قول ہے جو صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا ہے، نیز البتی کے نزدیک لعان کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ لعان کے بعد طلاق دے۔ اس سے پہلے اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ پس یہ دلیل ہے کہ اس کے نزدیک لعان نے ایک حکم پیدا کر دیا ہے۔ عثمان کے قول کے مطابق جابر بن زید کا قول ہے جو طبری نے ذکر کیا ہے۔ اسے نحی نے محمد بن ابی صفرہ سے حکایت کیا ہے۔ مشہور مذہب یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان لعان کا مکمل ہونا فرقت ہے۔ اس مقالہ والوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ کتاب اللہ میں یہ نہیں ہے جب مرد لعان کرے یا عورت لعان کرے گی تو فرقت واقع ہو جائے گی اور عویمر کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ اگر میں اس کو روکوں تو میں نے اس پر جھوٹ

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1، صفحہ 490

بولا۔ پس اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہ کیا اور اسے نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ تو اس کا محتاج نہیں تھا کیونکہ لعان کے ساتھ طلاق ہو چکی تھی۔ امام مالک اور ان کی موافقت کرنے والے علماء کی حجت نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: لاسبیل لك علیھا (1)، اب تجھے اس پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ اعلام ہے کہ لعان کا مکمل ہونا اس کی گرفت اس سے اٹھا دیتا ہے اور ان کے درمیان جدائی کرنا نئے حکم کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ نافذ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان دوری کو واجب کیا ہے یہی لغت میں لعان ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ لعان کرنے والے کبھی آپس میں نکاح نہیں کریں گے اگر مرد اپنے آپ کو جھٹلائے گا تو اسے حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور عورت کبھی اس مرد کی طرف نہیں لوٹ سکتی یہی سنت ہے جس میں کوئی شک اور اختلاف نہیں۔ ابن المنذر نے عطا سے روایت کیا ہے کہ لعان کرنے والا لعان کے بعد جب اپنے آپ کو جھٹلائے گا تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور عطا نے کہا: وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے جدا ہو گئے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے کہا: جب وہ اپنے آپ کو جھٹلائے تو اسے حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور وہ دوبارہ اگر چاہے تو وہ منگنی کا پیغام بھیجنے والوں میں سے ہو سکتا ہے؛ یہ سعید بن مسیب، حسن اور سعید بن جبیر اور عبد العزیز بن ابی سلمہ کا قول ہے انہوں نے کہا: نکاح حلال ہو کر لوٹ آئے گا جس طرح بچہ بعد میں اس کے ساتھ لاحق کیا گیا کیونکہ اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور جماعت کی حجت یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اب تجھے اس پر کوئی گرفت نہیں اور آپ نے یہ نہیں فرمایا مگر یہ کہ تو اپنے آپ کو جھٹلائے۔ ابن اسحاق اور ایک جماعت نے زہری سے روایت کیا ہے فرمایا: سنت یہ قائم ہو چکی ہے کہ جب میاں بیوی لعان کریں گے تو ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی اور وہ کبھی جمع نہ ہوں گے۔ اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور اسے سعید بن جبیر عن ابن عمر عن النبی ﷺ کے سلسلہ میں مرفوع روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لعان کرنے والے جب جدا ہو جائیں گے تو کبھی جمع نہ ہوں گے'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ سے مروی ہے ان دونوں نے فرمایا: سنت قائم ہو چکی ہے کہ لعان کرنے والے جمع نہ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہمیشہ کا لفظ بھی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 28۔ لعان کے لیے چار اشیاء ضروری ہیں:

1۔ الفاظ کی تعداد۔ وہ چار شہادتیں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

2۔ مکان۔ اس کے لیے شہر میں عمدہ اور معزز جگہ کا قصد کیا جائے۔ اگر مکہ میں ہوں تو لعان رکن اور مقام کے پاس ہو۔ اگر مدینہ طیبہ میں ہو تو منبر کے پاس ہو، اگر بیت المقدس میں ہو تو صخرۃ (چٹان) کے پاس ہوں اور دوسرے شہروں میں ہو تو مساجد میں ہو اگر وہ کافر ہوں تو انہیں ایسی جگہ بھیجا جائے گا جس کی وہ تعظیم کرتے ہوں گے۔ اگر وہ میاں بیوی یہودی ہوں تو کنیسہ میں ہوگا اگر مجوسی ہوں تو آگ کے کمرے کے پاس ہوگا، اگر ان کا کوئی دین نہ ہو جیسے بت پرست ہیں تو ان کے درمیان مجلس حکم میں لعان کرنا ہوگا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1، صفحہ 490　2۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، حدیث 1918، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ وقت۔ یہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔

4۔ لوگوں کو جمع کرنا۔ چار یا اس سے زائد لوگ لعان کے وقت موجود ہوں، لوگوں کا جمع کرنا مشروط ہے، زمان اور مکان مستحب ہے۔

مسئلہ نمبر 29۔ جس نے کہا: فراق واقع نہیں ہوتا مگر لعان کے مکمل ہونے کے ساتھ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ اگر ایک لعان کے مکمل ہونے سے پہلے مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور جس نے کہا: تفریق واقع نہیں ہوتی مگر امام کی تفریق کے ساتھ تو پھر ایک اس سے پہلے مرجائے اور لعان کے مکمل ہونے سے پہلے مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور امام شافعی کے قول پر اگر ایک مرجائے عورت کے لعان کرنے سے پہلے تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 30۔ ابن القصار نے کہا: ہمارے نزدیک لعان کی تفریق فسخ نہیں ہے؛ یہ المدونۃ کا مذہب ہے کیونکہ لعان کی تفریق کا حکم طلاق کی تفریق کا حکم ہے۔ غیر مدخول بہا کو نصف مہر دیا جائے گا اور ابن الجلاب کی مختصر میں ہے ایسی عورت کے لیے کچھ نہیں ہوگا یہ اس بنا پر ہے کہ لعان کی تفریق فسخ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا
هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ
فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِندَ اللَّهِ
عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا
بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا
تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ
بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ

أَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾

''بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لیے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لیے، ہر شخص کے لیے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے (اگر وہ سچے تھے تو) کیونکر نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ سے سخت عذاب۔ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی باتیں جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا: ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لاتے ہیں (تو) ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے) اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی کا اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز۔ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہیے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں اٹھائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ، عُصْبَةٌ، ان کی خبر ہے۔ اور حال کی

بنا پر اس کو نصب دینا بھی جائز ہے۔ اور خبر لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ہوگی۔ اس کے نزول کا سبب وہ ہے جو ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں طویل حدیث افک روایت کی ہے یہ خبر صحیح مشہور ہے وہ اتنی مشہور ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ مختصراً آگے آئی گی۔ امام بخاری نے اسے تعلیقاً نقل کیا ہے اور اس کی حدیث اتم ہے۔ فرمایا اسامۃ نے کہا انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اس کو محمد بن کثیر نے انہوں نے اپنے بھائی سلیمان سے حدیث مسروق سے انہوں نے ام رومان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام رومان نے فرمایا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو وہ غش کھا کر گر پڑیں۔ موسیٰ بن اسماعیل سے ابو وائل کی حدیث سے مروی ہے فرمایا مجھے مسروق بن اجدع نے بتایا فرمایا مجھے ام رومان نے بتایا ام رومان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہے فرمایا: میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں اچانک انصار کی ایک عورت داخل ہوئی اور کہا: اللہ تعالیٰ فلاں کے ساتھ ایسا کرے، اللہ تعالیٰ فلاں کے ساتھ ایسا کرے۔ ام رومان نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: میں ان میں تھی جس نے بات بیان کی۔ ام رومان نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس انصاری عورت نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بہتان سنا ہے؟ اس عورت نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: (میرے والد گرامی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی؟ اس عورت نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غش کھا کر گر پڑیں۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ کو کپکپی کے ساتھ بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کپڑے ڈالے اور اسے ڈھانپ دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟'' میں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اسے کپکپی کے ساتھ بخار ہو گیا ہے۔ فرمایا: ''شاید اس بات کی وجہ سے ہو جو کہی گئی ہے'' (1)۔ ام رومان نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھ گئی اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں قسم اٹھاؤں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے، اگر میں کچھ کہوں تو تم مجھے معذور نہیں سمجھو گے۔ میری اور تمہاری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں جیسی ہے۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔

فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ گئے اور کوئی بات نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عذر نازل فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی کسی کی حمد نہیں کروں گی اور نہ آپ کی حمد کروں گی۔ ابو عبد اللہ حمیدی نے کہا: بعض بغدادی حفاظ جن سے ہم ملے تھے وہ فرماتے تھے اس حدیث میں اور سال زیادہ واضح ہے اس پر انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ ام رومان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وصال کر گئی تھیں اور مسروق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ملیکہ کی حدیث ہے اس میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ پڑھتی تھیں اور کہتی تھیں: الولق کا معنی کذب (جھوٹ) ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا معنی دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں کیونکہ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری نے کہا: معمر بن راشد نے زہری سے روایت کیا حدیث افک غزوہ مریسیع، میں پیش آئی۔ ابن اسحاق نے کہا: یہ چھٹا سال تھا۔ موسیٰ

1۔ صحیح بخاری، حدیث الافک، جلد 2، صفحہ 597

بن عقبہ نے کہا: چوتھا سال تھا۔ امام بخاری نے معمرعن زہری کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ فرمایا: مجھے ولید بن عبد الملک نے کہا: کیا تجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تہمت لگانے والوں میں تھے؟ انہوں نے کہا میں نے کہا: نہیں لیکن مجھے تیری قوم کے دو افراد ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن اور ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام نے مجھے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خاموش تھے۔ ابوبکر اسماعیلی نے اپنی کتاب المخرج علی الصحیح میں ایک دوسرے طریق سے معمرعن زہری کی حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے فرمایا: میں ولید بن عبد الملک کے پاس تھا اس نے کہا: جو اس مسئلہ کو زیادہ اچھالنے والے تھے ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔

مجھے سعید بن مسیب، عروہ، علقمہ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ تمام نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس مسئلہ کو اچھالنے والوں کا سرغنہ عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ امام بخاری نے زہری عن عروہ عن عائشہ کی حدیث سے روایت کیا ہے جو اس مسئلہ کو پھیلانے والے تھے ان میں سے عبد اللہ بن ابی تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِالْاِفْكِ، افک کا معنی جھوٹ ہے۔ العصبۃ تین سے لیکر دس افراد تک کو عصبہ کہتے ہیں۔ ابن عیینہ نے کہا: چالیس آدمیوں کو عصبہ کہتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ دس سے پندرہ افراد ہیں۔ اس کی اصل لغت میں اور کلام عرب میں وہ جماعت ہے جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہوں۔ اور الخیر کی حقیقت یہ ہے کہ جس کا نفع اس کے نقصان سے زائد ہو اور الشر جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہو وہ خیر جس میں کوئی شر نہیں ہے وہ جنت ہے اور وہ شر جس میں کوئی خیر نہیں وہ جہنم ہے اور وہ آزمائش جو اولیاء اللہ پر نازل ہوتی ہے وہ خیر ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں اس کا ضرر کم ہوتا ہے اور اس کی خیر آخرت میں بہت زیادہ ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں اور صفوان کو آگاہ فرمایا کیونکہ خطاب اس ارشاد میں ان سے ہے: لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، کیونکہ شر کی نسبت سے نفع اور خیر راجح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں نکلے یہی غزوہ مریسیع ہے اور آپ لوٹے جب مدینہ طیبہ کے قریب تھے تو آپ نے رات کو چلنے کا اعلان فرمایا جب کوچ کرنے کا اعلان ہو چکا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھیں اور قضاء حاجت کے لیے چلیں حتی کہ لشکر سے دور چلی گئیں جب فارغ ہوئیں اور اپنی جگہ پر آئیں اور اپنے سینہ پر ہاتھ مارا تو یمن کے موتیوں کا ہار ٹوٹ چکا تھا۔ آپ واپس لوٹیں اور اسے تلاش کیا اس کی تلاش نے آپ کو روک لیا آپ نے ہار پالیا اور واپس آئیں وہاں کسی شخص کو نہ پایا آپ نوجوان تھیں گوشت کم تھا۔ مردوں نے آپ کا ہودج اٹھایا اور انہیں آپ کا نہ ہونا محسوس نہ ہوا جب آپ نے اپنی جگہ پر کسی کو نہ پایا تو آپ اپنی جگہ پر لیٹ گئیں اس امید کے ساتھ کہ آپ کو تلاش کیا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا آپ اپنی جگہ سو گئیں آپ کو بیدار نہ کیا مگر صفوان بن معطل کے قول: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ نے وہ پیچھے رہ جانے والی چیزوں کی حفاظت کے لیے لشکر سے پیچھے تھے۔ بعض نے کہا: آپ ان کے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے سے بیدار ہوئیں۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دور کھڑے ہو گئے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹنی پر سوار ہوئیں۔ حضرت صفوان نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑے حتی

کہ دوپہر کے وقت انہیں لیکر لشکر میں پہنچ گئے۔ جھوٹے اور بہتان تراش اپنے دھندے میں مشغول ہو گئے۔ اس مسئلہ میں لوگ جس کے پاس جمع ہوتے تھے اور جو اس مسئلہ کے بارے استفسار کرتا تھا اور اس کو پھیلاتا تھا وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق تھا اس نے صفوان کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے ہے تو اس نے یہ کہا: اللہ کی قسم! نہ وہ اس سے بچی اور نہ وہ اس سے بچا اور کہا: تمہارے نبی کی بیوی نے ایک آدمی کے ساتھ رات گزاری، اور اس بہتان تراشی میں حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش شامل تھے۔ یہ اس حدیث کا اختصار ہے اور یہ مکمل طور پر امام بخاری اور امام مسلم میں ہے اور صحیح مسلم میں اکمل ہے جب حضرت صفوان کو اس جھوٹ میں حضرت حسان کی بات پہنچی تو وہ آئے اور حضرت حسان کے سر پر تلوار ماری اور کہا:

تَلَقَّ ذُبابَ السیف عَنّی فإنّنی   غلامٌ إذا هُوَ جِیتَ لیس بشاعر

ایک جماعت نے حضرت صفوان کو پکڑا اور اس کا گریبان پکڑ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کا زخم رائیگاں کر دیا اس سے کچھ طلب کیا۔ یہ دلیل ہے کہ حسان بھی ان لوگوں میں تھا جو اس بہتان کی تشہیر کرتے تھے۔ یہ حضرت صفوان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی غزوات میں مہار پکڑتے تھے کیونکہ آپ بہت بہادر تھے اور خیر صحابہ میں سے تھے۔ بعض نے کہا: آپ عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے؛ یہ ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ بعض نے کہا: صفوان کے دو بیٹے تھے۔ اس پر دلیل آپ کی مروی حدیث ہے آپ کی بیوی کے ساتھ آپ کا معاملہ ہوا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بیٹوں کے بارے میں فرمایا: ''دونوں صفوان کے ساتھ اس طرح مشابہ ہیں جیسے کوا، کوے کے مشابہ ہوتا ہے'' (1)۔ اور حدیث میں آپ کا قول کہ ''اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی عورت کا پردہ نہیں کھولا''، اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا۔ غزوہ ارمینیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں 19ھ کو شہید ہوئے۔ بعض نے کہا: یہ روم کے شہروں میں حضرت معاویہ کے زمانہ میں اٹھاون ہجری میں وصال فرما گئے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ یعنی جس نے جھوٹ بولا۔ اہل افک کا نام نہیں لیا سوائے حسان، مسطح، حمنہ اور عبد اللہ کے اور کچھ دوسرے مجہول لوگ؛ یہ عروہ بن زبیر کا قول ہے اس کے متعلق عبد الملک بن مروان نے اس سے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ جتھہ تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مصحف حفصہ میں ہے: عصبة أربعة۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ حمید اعرج اور یعقوب نے کُبر کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فراء نے کہا: یہ وجہ عمدہ ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: فلان تولی عُظم كذا و كذا یعنی وہ کام میں بڑا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت حسان جب نابینا ہو گئے تھے شاید وہ بڑا عذاب ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا وہ ان کی آنکھوں کا چلا جانا ہے؛ یہ مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ

1۔ صحیح بخاری، الشباب الخضر، جلد 2، صفحہ 866

تشہیر کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا یہ صحیح ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ ابو عمر بن عبدالبر نے حکایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان کو اس بات سے بری کر دیا تھا۔ کہا تھا اس نے کچھ نہیں کیا۔ حضرت حسان نے اس کے متعلق کچھ کہنے سے انکار کیا تھا۔ حضرت حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ اشعار کہے:

حَصَانٌ رَزَانٌ ما تُزَنُّ بریبَةٍ وتُصبح غَرْثَی من لُحُوم الغَوافِلِ

وہ پاک دامن ہے صاحب وقار ہے اس کو متہم نہیں کیا جاتا وہ پاک دامن عورتوں کی غیبت سے بھوکی رہتی ہے۔

حلیلَةُ خیرِالنّاس دینًا ومَنْصِبًا نَبِیِّ الهُدَی والمکرُماتِ الفواضل

عَقِیلَةُ حَیٍّ من لُؤَیِّ بن غالب کرامِ المساعی مَجْدُها غیرُ زائل

مُهَذَّبَةٌ قد طیّب الله خِیمَها وطهّرها من کل شَیْنٍ وباطل

فإن کانت مابُلِّغتِ أنّی قلتُهُ فلا رفعت سَوْطی إلیّ أنامِلی

فکیف ووِدّی ما حَیِیتُ ونُصْرتی لِآلِ رسول الله زَیْنِ المحافل

له رُتَبٌ عالٍ علی الناس فضلها تقاصَرُ عنها سَوْرَةُ المتطاول

یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا وہ پاک دامن اور صاحب وقار ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو تو اس طرح نہیں ہے، تو تو پاکدامن عورتوں کے بارے میں باتیں کرنے والا ہے۔ یہ تعارض ہے اس طرح ان کو جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت حسان نے نصاً اور تصریحاً کچھ نہیں کہا۔ یہ تعریض اور اشارہ ہے پس اس کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ حضرت حسان نے اس میں زیادہ دخل دیا تھا یا نہیں کیا آپ کو حد لگائی گئی تھی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیا ہوا تھا؟

مسئلہ نمبر 6۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھوٹی تہمت میں دو مردوں اور ایک عورت کو حد لگائی تھی وہ مسطح، حسان اور حمنہ تھے، یہ ترمذی نے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کو اسی (80) کوڑے لگائے تھے اور اس کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ قشیری نے کہا: جو چیز اخبار میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ابن ابی، حسان اور حمنہ کو سزا ملی تھی رہا مسطح تو اس سے قذف صریح ثابت نہیں ہوا تھا لیکن وہ سنتا تھا اور بغیر صراحت کے اس بات کو پھیلاتا تھا۔ ماوردی وغیرہ نے کہا: اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں ملوث لوگوں کو حد لگائی تھی؟ اس کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ کسی کو بھی حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ حدود اقرار یا دلیل کے ساتھ قائم کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صرف اخبار کی بنا پر حدود قائم کرنے کا مکلف نہیں بنایا جس طرح منافقین کو قتل کرنے کا مکلف نہیں بنایا تھا جبکہ ان کے کفر کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ فاسد ہے اور بعض قرآن کے مخالف ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر اپنے قول کی سچائی پر چار گواہ نہ لائیں۔ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً تو انہیں اسی درے مارو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل الافک (جھوٹ گھڑنے والوں) عبداللہ بن ابی، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش کو کوڑے لگائے۔ اس کے متعلق مسلمانوں کے شاعر نے کہا:

لقد ذاق حسان الذی کان أهله وحَمْنَةَ إذ قالوا هجيراً ومِسْطَحُ

وابنُ سَلُولَ ذاق فی الحدّ خزية كما خاض فی إفك ومن القول يُفْصِح

تعاطَوْا برجم الغيب زَوْجَ نبيّهم وسخطة ذی العرش الكريم فأبرحوا

وآذَوْا رسول الله فيها فَجُلِّلُوا مخازِیَ تبقی عُمِّمُوها وفُضِحوا

فصبت عليهم مُحْصَدات كأنها شآبيب قطر من ذُرى المُزْن تَسْفَحُ

میں کہتا ہوں: علماء کے نزدیک مشہور و معروف اخبار سے یہ ہے کہ حسان، مسطح اور حمنہ کو حد لگائی گئی تھی اور عبداللہ بن ابی کی حد کے متعلق نہیں سنا گیا۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: جب میرا عذر نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور وہ ذکر کیا اور قرآن تلاوت کیا جب آپ منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک عورت کے بارے حکم دیا انہیں حد لگائی گئی (1) اور ان کے نام بھی لیے۔ حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ طحاوی کی کتاب میں ہے اسی اسی کوڑے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: عبداللہ بن ابی کو حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آخرت میں عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اگر اسے دنیا میں حد لگائی جاتی تو یہ آخرت میں اس کے عذاب کے لیے کمی اور تخفیف کا باعث ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کی گواہی دی اور تہمت لگانے والوں کے جھوٹ کو بیان کیا۔ پس حد کا فائدہ حاصل ہو گیا، کیونکہ مقصود قاذف کا اظہار اور مقذوف کی براءت ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ان مسلمانوں کو حد لگائی گئی تا کہ ان سے قذف کی وجہ سے جو گناہ صادر ہوا وہ معاف ہو جائے اور آخرت میں ان پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کے بارے میں فرمایا: ''یہ اس کے لیے کفارہ ہیں جس پر یہ حدود قائم کی گئیں'' جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث میں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عبداللہ بن ابی کو حد اس لیے نہ لگائی گئی ہو تا کہ اس کی قوم کی الفت حاصل کی جائے یا اس کے بیٹے کے احترام کی وجہ سے ہو اور متوقع فتنہ کو بجھانے کے لیے ہو اور اس متوقع فتنہ کا آغاز سعد بن عبادہ اور ان کی قوم سے ظاہر بھی ہوا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا یہ اللہ تعالیٰ کی

1۔ ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی حد القذف، حدیث 3880، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب و من سورۃ النور، حدیث 3105، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب حد القذف، حدیث 2556، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرف سے مومنین کو ان کے گمان کی وجہ سے عتاب ہے جب جھوٹے لوگوں نے کہا جو انہوں نے کہا۔ ابن زید نے کہا: مومنوں نے گمان کیا کہ مومن اپنی ماں کے بارے ایسا نہیں کہہ سکتا؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ ولولا بمعنی ھلا ہے۔

بعض نے کہا: اس کا معنی ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے فضلاء کو اپنے نفسوں پر قیاس کرنا چاہیے تھا۔ اگر ان سے یہ بعید تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان میں بدرجہ اولیٰ بعید تھا۔ روایت ہے کہ صحیح فکر وہ تھی جو حضرت ابوایوب انصاری اور ان کی بیوی سے ظاہر ہوئی تھی۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابوایوب، اپنی بیوی کے پاس گئے تو بیوی نے پوچھا: اے ابوایوب! کیا تو نے سنا ہے جو کہا گیا ہے؟ ابوایوب نے کہا: ہاں۔ یہ جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! تو ایسا کرے گی اس نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم!۔ حضرت ابوایوب نے کہا: اللہ کی قسم! عائشہ تجھ سے افضل ہے۔ ام ایوب نے کہا: ہاں۔ یہ وہ فعل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو عتاب فرمایا ہے کیونکہ مومنین نے یہ کام نہیں کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَنْفُسِهِمْ نحاس نے کہا: اس کا معنی ہے باخوانھم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب فرمایا کہ جب وہ کسی کو سنیں کہ وہ کسی پر تہمت لگا رہا ہے یا اس کی برائی بیان کر رہا ہے جو وہ اس کے متعلق نہیں جانتے تو وہ اس کا انکار کریں اور اس شخص کو جھٹلائیں جس نے اس کو ترک کیا، اس کو وعید سنائی اور اسے بھی وعید سنائی جس نے اس بات کو آگے نقل کیا۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے علماء نے کہا یہ آیت اصل ہے کہ ایمان کا وہ درجہ جس کو انسان حاصل کرتا ہے اور اصلاح کا وہ مرتبہ جس پر مومن اترتا ہے اور عفاف کا لباس جس کے ساتھ مسلمان کا پردہ ہوتا ہے وہ کسی محتمل خبر سے زائل نہیں ہوتا اگرچہ وہ پھیل بھی جائے جبکہ اس کی اصل فاسد یا مجہول ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ یہ جھوٹ گھڑنے والوں کو توبیخ ہے۔ سولاہ بمعنی ھلا ہے یعنی اپنے اس افترا پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ یہ پہلے حکم پر رد ہے اور سابقہ آیت پر لوٹاتا ہے جو قذف کے بارے میں ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ یعنی وہ اللہ کے حکم میں جھوٹے ہیں کبھی کوئی شخص دلیل پیش کرنے سے عاجز ہوتا ہے حالانکہ وہ قذف میں سچا ہوتا ہے لیکن حکم شرع میں اور ظاہر امر میں جھوٹا ہے نہ کہ علم الٰہی میں جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حدود کو اسی حکم پر مرتب کیا ہے جو دنیا میں مشروع کیا ہے نہ کہ اس اپنے علم کے مقتضیٰ پر جو انسان کے ساتھ متعلق ہے، جس پر وہ ہے اپنے علم کے مطابق آخرت میں اس سے برتاؤ کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس مفہوم کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام بخاری نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: اے لوگو! وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اب ہم تمہارے ظاہر اعمال کو لیں گے جس نے ہمارے لیے خیر کو ظاہر کیا ہم اسے امن دیں گے اور اپنا قرب بخشیں گے ہمارے لیے اس کے باطن سے کوئی سروکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے باطن کا محاسبہ کرے گا اور جو ہمارے لیے برائی ظاہر کرے گا ہم اسے نہ امن دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے اگرچہ

وہ کہے کہ اس کا باطن اچھا تھا۔ علماء کا اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور دل کے بھید اللہ کے سپرد ہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ، سیبویہ کے نزدیک فضل پر رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے عرب اس کو ظاہر نہیں کرتے اور لولا کا جواب حذف ہے کیونکہ اس کے بعد اس کی مثل ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتو جو کچھ تم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا ہے اس کے سبب دنیا و آخرت میں تمہیں عذاب عظیم لاحق ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بلیغ ہے لیکن اس نے اپنی رحمت سے دنیا میں متہم پر پردہ فرمایا اور آخرت میں بھی اس پر رحم فرمائے گا جو توبہ کرے گا۔ الافاضۃ کا معنی ہے حدیث (بات) میں پڑنا۔ اس پر عتاب واقع ہوا ہے کہا جاتا ہے: افاض القوم فی الحدیث قوم اس بات میں پڑ گئی۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ محمد بن سمیقع نے تا کے ضمہ، لام کے سکون اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی القاء سے مشتق کیا ہے یہ قرأت واضح ہے اور حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اذ تتلقونہ، التلقی سے مشتق کر کے دو تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ قراء سبعہ کے جمہور نے ایک تا اور ذال کے اظہار کے ساتھ بغیر ادغام کے پڑھا ہے۔ یہ بھی التلقی سے مشتق ہے۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے تا میں ذال کو ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے ذال کے اظہار اور تا کے تا میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ قلقہ قرأت ہے کیونکہ یہ اجتماع ساکنین کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ فلا تناجوا اور ولا تنابزوا پڑھنے والوں کی قرأت میں ادغام کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے الف ساکن ہے اور اس کا حرف لین ہونا وہاں اچھا ہے جو ذال کے سکون کے ساتھ اچھا نہیں۔ ابن یعمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ تمام لوگوں سے زیادہ اس معاملہ کو جانتے تھے اس کو اذ تلقونہ تا کے فتحہ، لام کے کسرہ اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأت کا معنی عربوں کے اس قول سے ہے: ولق الرجل یلق ولقاً جب کوئی جھوٹ بولے اور اس پر متواتر جھوٹ بولتا رہے۔ وہ متعدی کو غیر متعدی پر شاہد لائے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک انہوں نے اذ تلقون فیہ کا ارادہ کیا ہے۔

حرف جر کو حذف کیا گیا اور ضمیر کو فعل سے متصل کیا گیا۔ خلیل اور ابو عمرو نے کہا: الولق کا اصل معنی جلدی کرنا ہے کہا جاتا ہے: جاءت الابل تلق۔ تیز دوڑتے ہوئے آئے۔ شاعر نے کہا:

لما رأوا جيشا عليهم قد طرق جاؤا بأسراب من الشأم وَلِقْ

إن الحُصَيْنَ زَلِقٌ وزُمَّلِقْ جاءت به عَنْسٌ من الشأمِ تَلِقْ

کہا جاتا ہے: رجل ذلق وزملق اس کی مثال ھدبدٌ ہے زمالق وزمّلق۔ میم کی تشدید کے ساتھ وہ شخص جس کو جماع کرنے سے پہلے انزال ہو جاتا ہے۔ راجز نے کہا: إنّ الحُصَيْنَ زَلِقٌ وزُمَّلِقْ۔

الولق کا معنی اخف الطعن بھی ہے ولقہ یلقہ ولقاً، ولقہ بالسیف ولقات۔ یعنی تلوار کے کئی وار کیے۔ یہ لفظ مشترک ہے۔

1۔ التمہید، جلد 10، صفحہ 157

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ، افواهكم لفظ مبالغہ، الزام اور تاکید کے لیے ہے۔ تحبونہ کی ضمیر حدیث، اس میں غور و خوض اور اس کے پھیلانے کی طرف لوٹ رہی ہے۔ هَيِّنًا تھوڑا گناہ یعنی اس میں تمہیں گناہ لاحق نہ ہوگا۔ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ یہ اللہ کے نزدیک (عظیم) بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی مثل ہے جو دو قبور کے بارے میں ہے۔ إنهما ليعذبان وما يعذبان في كبير یعنی ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور تمہاری نسبت سے انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ یہ تمام مومنوں کو عتاب ہے، یعنی تمہیں مناسب تھا کہ تم انکار کرتے، اس کو حکایت کرنے اور نقل کرنے میں ایک دوسرے کی معاونت نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے کہ اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے ایسا فعل واقع ہو اور تم اس بات پر بہتان کا فیصلہ کرتے۔ بہتان کی حقیقت یہ ہے کہ کسی انسان کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس میں نہ ہو اور غیبت یہ ہے کہ ایسی بات بیان کی جائے جو اس میں ہو۔ یہی مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت کی طرف لوٹنے سے نصیحت فرمائی۔ ان مفعول لاجلہ ہے۔ تقدیر کراهية ان ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یہ توقیف اور تاکید ہے جیسے تو کہتا ہے: تجھے ایسا ایسا کرنا مناسب ہے اگر تو مرد ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پھر ایسی بات کرو اللہ تمہیں اس سے نصیحت کرتا ہے کیونکہ اس کی مثل نہیں ہوگا مگر اس قول کے مثل جو بعینہٖ مقول عنہ (جس کے بارے میں بات کی گئی ہے) کے بارے کہا گیا ہے یا اس کے بارے میں جو مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مرتبہ میں ہوگا، کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہے اس لیے ایسا کرنے والے کی طرف سے یہ کفر ہوگا۔

مسئلہ نمبر 17۔ ہشام بن عمار نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا اس کی تادیب کی جائے گی اور جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہا اسے قتل کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ پس جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی اس نے قرآن کی مخالفت کی۔ ابن عربی نے کہا: اصحاب شافعی نے کہا: جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی اس کی تادیب کی جائے گی جیسا کہ دوسرے مومنین کے بارے میں ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کفر نہیں ہے یہ اسطرح ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا يؤمن من لا يأمن جاره بوائقه (1) وہ مومن نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی تخریب کاریوں سے محفوظ نہیں۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کا ایمان حقیقۃً سلب

1۔ صحیح بخاری، اثم من لا يأمن جاره بوائقه، جلد 2، صفحہ 889

ہوتا تو لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن (2)۔ کے قول میں زانی کا ایمان بھی حقیقۃً سلب ہوتا۔ ہم کہتے ہیں: جیسا تم نے گمان کیا ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ بہتان تراشوں نے حضرت عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ عنہا پر فاحشہ ہونے کا بہتان لگایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت فرمائی۔ پس ہر وہ شخص جو اسے برا کہتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے برأت فرمائی تو وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والا ہے وہ کافر ہے۔ یہ امام مالک کے قول کا طریق ہے یہ اہل بصائر کے لیے واضح راستہ ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ، ان تشیع کا معنی تفشو (پھیلانا) ہے کہا جاتا ہے: شاع الشئ شیوعا و شیعا و شیعانا و شیوعۃ، اس کا معنی ظاہر ہونا، بکھر جانا ہے۔ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی پاکدامن مردوں اور عورتوں میں۔ اس لفظ عام سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان ہیں۔ الفاحشۃ ایسا برا فعل جو برائی میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ بعض علماء نے کہا: اس آیت میں فاحشۃ سے مراد بری بات ہے۔ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا یعنی عذاب سے مراد حد ہے اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے یعنی منافقین کے لیے یہ مخصوص ہے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ حد مومنین کے لیے کفارہ ہے۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر وہ اصرار کرتے ہوئے بغیر توبہ کے مرے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ یَعْلَمُ یعنی اس گناہ کی بڑائی کی مقدار اور اس پر جزا کو جانتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ حضرت ابو الدرداء کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے لوگوں میں سے کسی کی جھگڑے میں مدد کی جبکہ اس کو اس کے متعلق کوئی علم ہی نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اس سے باز آجائے۔ اور جس شخص نے اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کی کہ وہ اسے نہ لگے تو اس نے حق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف پیش قدمی کی اور اس پر متواتر قیامت تک اللہ کی لعنت ہوگی اور جس نے کسی مسلمان کے بارے ایسا کلمہ پھیلایا جس سے وہ بری ہے اس کا خیال ہے کہ وہ دنیا میں اس کے ساتھ اسے عیب دار کردے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے اس کی وجہ سے آگ میں ڈالے'' پھر اس کا مصداق کتاب اللہ سے تلاوت کیا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔۔۔ الخ۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ یعنی شیطان کے راستہ اور مذہب پر نہ چلو۔ مطلب یہ ہے کہ اس راستے پر نہ چلو جس کی طرف شیطان بلاتا ہے۔ الخطوات کا مفرد خطوۃ ہے۔ یہ وہ فاصلہ ہوتا ہے جو دو قدموں کے درمیان ہوتا ہے۔ الخطوۃ خاء کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: خطوت خطوۃ اس کی جمع خَطوات ہے۔ تخطی الینا فلان۔ اسی سے حدیث ہے: انه رای رجلاً یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ۔ (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگ رہا تھا۔

جمہور نے خطوات طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عاصم اور اعمش نے اسے طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جمہور

1۔ صحیح بخاری، الزنیٰ و شرب الخمر، جلد 2، صفحہ 1001

2۔ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ، باب ماجاء فی النھی عن تخطی الناس یوم الجمعہ، حدیث 1104، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے مازکی کو کاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اس نے ہدایت نہیں پائی، وہ سلامت نہ ہوا اور اس نے ہدایت کو نہیں پہچانا۔ بعض علماء نے کہا: مازکی کا مطلب ہے ماصلح اس نے اصلاح نہ کی۔ کہا جاتا ہے: زکا، یذکوز کاء یعنی صلح کرنا۔ حسن اور ابوحیوہ نے اس کو شد کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اس کا تمہارا تزکیہ کرنا اور تطہیر اور ہدایت دینا یہ اس کے فضل سے ہے، تمہارے اعمال کی وجہ سے نہیں ہے۔ کسائی نے کہا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ جملہ معترضہ ہے۔ اور مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا پہلے اور دوسرے لولا کا جواب ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ روایات سے مشہور ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ اور مسطح بن اثاثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت مسطح، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کا بیٹا تھا یہ بدری صحابہ میں سے تھا۔ مہاجر بھی تھا اور مساکین میں سے تھا۔ یہ مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف تھا۔ بعض نے کہا: اس کا نام عوف تھا اور مسطح اس کا لقب تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے مسکین ہونے اور اس کی قرابت کی وجہ سے اس پر خرچ کرتے تھے (1)۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا واقعہ پیش آیا اور مسطح بھی اس بہتان تراشی میں شامل تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ وہ اس پر خرچ نہیں کریں گے اور اسے کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے۔ مسطح، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور معذرت کی۔ میں حسان کی مجالس میں ہوتا تھا میں سنتا تو تھا لیکن کہتا نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسطح سے کہا: تو ہنستا تھا اور اس بات میں تو شریک ہوا۔ پس آپ نے یہ قسم اٹھا دی پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مومنین کی ایک جماعت نے ان کے منافع کاٹ دیئے تھے جنہوں نے تہمت لگائی تھی اور کہا: ہم ان سے صلہ رحمی کا معاملہ نہیں کریں گے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ کہا ہے۔ پس تمام کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلا قول اصح ہے مگر آیت قیامت تک تمام لوگوں کو شامل ہے۔ کوئی صاحب فضل اور خوشحال غصہ نہ کرے اور قسم نہ اٹھائے کہ وہ ایسی صفت والے کو کبھی نفع نہیں پہنچائے گا۔ صحیح نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب، اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے لیکر دس آیات نازل فرمائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ مسطح پر قرابت اور فقر کی وجہ سے خرچ کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں اس پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد جو اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ آیت کتاب اللہ میں امید افزا آیت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے۔ پھر آپ نے وہ نفقہ مسطح کا جاری کر دیا جو آپ پہلے عطا کرتے تھے اور فرمایا: میں اب کبھی ان سے خرچ نہیں روکوں گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ قذف اگرچہ گناہ کبیرہ ہے لیکن اعمال کو ضائع نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اس بہتان کے بعد پھر حضرت مسطح کا ہجرت اور ایمان کے ساتھ وصف بیان فرمایا ہے۔ یہی حکم تمام کبائر کا ہے اللہ تعالیٰ کے شریک

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 373

ٹھہرانے کے علاوہ کوئی بھی گناہ اعمال کو ضائع نہیں کرتا۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65)

مسئلہ نمبر 23۔ اگر کوئی کسی شے پر قسم اٹھائے کہ وہ یہ نہیں کرے گا پھر اس فعل میں بہتری دیکھے تو وہ کر دے اور قسم کا کفارہ دے دے یا پہلے قسم کا کفارہ دے اور پھر وہ کام کرے جیسا کہ سورۃ المائدہ میں گزر چکا ہے۔ فقہاء کا خیال ہے کہ جو کسی سنت کو نہ کرنے یا کسی مندوب کو نہ کرنے کی قسم اٹھائے اور ہمیشہ انہیں ادا نہ کرے تو یہ امر اس کی شہادت کو مجروح کر دے گا؛ یہ الباجی نے المنتقی میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ، ولا یاتل کا معنی ہے قسم نہ اٹھائے اس کا وزن یفتعل ہے یہ الیۃ سے مشتق ہے جس کا معنی قسم ہے اسی سے الله تعالیٰ کا فرمان ہے: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (بقرہ: 226) یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے کمی کرنا۔ یہ الوت من کذا سے مشتق ہے کسی امر میں کوتاہی کرنا۔ اس سے الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (آل عمران: 118)

مسئلہ نمبر 25۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ یہ تمثیل اور حجت ہے یعنی جس طرح تم پسند کرتے ہو کہ الله تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے تو اسی طرح تم بھی دوسروں کو معاف کرو جو تم سے کم درجہ ہیں۔ یہی مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من لا یرحم لا یرحم (1) (جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا) کا ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت کتاب الله میں امید افزا ہے کیونکہ اس لفظ کے ساتھ الله تعالیٰ نے تہمت لگانے والے نافرمانوں پر لطف فرمایا ہے۔ بعض علماء نے کہا: کتاب الله میں امید افزا آیت ہے: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ (الاحزاب) الله تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ (الشوریٰ) اس آیت میں فضل کبیر کی شرح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ مومنین کو بشارت دی ہے اور امید افزا آیات سے یہ بھی ہے۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الزمر: 53) اور الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ (الشوریٰ: 19) بعض نے کہا: یہ آیت امید افزا ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ) یہ اس لیے ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک امتی کے دوزخ میں رہنے سے راضی نہ ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 27۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْ يُّؤْتُوْٓا۔ یعنی الا یؤتوا، لا کو حذف کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

فقلت یمین الله ابرح قاعدا

زجاج نے اس کو ذکر کیا ہے اور ابو عبیدہ کے قول پر لا کے اضمار کی ضرورت نہیں۔ ولیعفوا یہ عفا الریح سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ہوا کا اثر مٹا دینا، یعنی گناہ معاف کر دینا اور مٹا دینا جس طرح ہوا اثر مٹا دیتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ

1۔ صحیح بخاری، رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ، جلد 2، صفحہ 887

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

''جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں، ایمان والیاں ہیں ان پر پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے''۔

اس کے بارے میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الْمُحْصَنٰتِ یہ لفظ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ پاکدامن مردوں پر تہمت لگانے کا حکم ہے۔ یہ قیاس اور استدلال سے ہے ہم نے سورت کے آغاز میں اس کو بیان کیا ہے۔ الحمد للہ۔ اس آیت سے جو مراد ہیں ان میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں ہے (2)۔ ایک قوم نے کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات کے بارے میں ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک وغیرہما کا قول ہے تو یہ انہیں نفع نہیں دے گی۔ اور جنہوں نے دوسری محصنات (پاکدامن) عورتوں پر تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ رکھی ہے کیونکہ فرمایا: وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور ازواج مطہرات کے اوپر تہمت لگانے والوں کے لیے توبہ نہیں ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس شخص کے لیے وعدہ ہے جو قذف پر اصرار کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا۔ بعض نے کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے نازل ہوئی مگر اس سے ہر وہ مراد ہے جو اس صفت سے متصف ہے۔ بعض نے کہا: جو بھی تہمت لگانے والا ہے خواہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے مذکر ہو یا مونث ہو۔ تمام لوگوں کو شامل ہے۔ تقدیر اس طرح ہوگی۔ ان الذین یرمون الانفس المحصنات۔ اس میں مذکر اور مؤنث داخل ہیں؛ یہ نحاس نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا: مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ جو عورت ہجرت کرتی تو وہ کہتے یہ بدکاری کے لیے نکلی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ علماء نے فرمایا: اگر اس آیت سے مراد تہمت لگانے والے مومنین ہیں تو لعنت سے مراد دور کرنا، حد لگانا اور مومنین کو ان سے وحشت دلانا اور ان سے قطع تعلق کرانا ہے اور ان کا عدالت کے رتبہ سے زائل ہونا ہے اور مسلمانوں کی زبانوں پر اچھی تعریف سے دور ہونا مراد ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو یہ سختیاں عبد اللہ بن ابی اور اس جیسے افراد میں مرتب ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو وہ دور کیے جائیں گے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔ اور جس نے اسلام قبول کیا تو اسلام پہلے سارے گناہ ختم کر دیتا ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس آیت کی تاویل میں خوبصورت قول یہ ہے کہ یہ تمام تہمت لگانے والوں کو شامل ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تقدیر یوں ہوگی: ان الذین یرمون الانفس المحصنات۔ اس میں مذکر اور مونث شامل ہیں اسی طرح الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ میں بھی سب شامل ہیں مگر مونث پر مذکر کو غلبہ دیا گیا ہے۔

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 373

''وہ یاد کریں اس دن کو جب گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے''۔

عام قرأت تاء کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے یشھد یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ جار مجرور، اسم اور فعل کے درمیان حائل ہیں معنی یہ ہے اس دن کو یاد کریں جب بعض کی زبانیں بعض پر گواہی دیں گی ان اعمال پر جو وہ قذف اور بہتان میں کرتے تھے۔ بعض علماء نے کہا: اس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی اس کے ساتھ جو انہوں نے کلام کی تھی۔ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ دنیا میں جو اعمال کیے ہوں گے ان کے متعلق ان کے اعضاء بولیں گے۔

يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝

''اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے''۔

یعنی ان کا حساب اور جزا اللہ تعالیٰ انہیں پوری پوری دے گا۔ مجاہد نے یومئذ یوفیھم اللہ دینھم الحقُ یعنی حق کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ وہ اللہ کی صفت ہے۔ ابو عبید نے کہا: اگر لوگوں کے خلاف کی کراہت نہ ہوتی تو بہتر رفع تھا کیونکہ یہ (اللہ) کی صفت ہے اور حضرت ابی کی قرأت کی موافقت بھی ہے۔ یہ اس لیے کہ جریر بن حازم نے کہا: میں نے حضرت ابی کے مصحف میں دیکھا، يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ۔ نحاس نے کہا: ابو عبید سے یہ کلام غیر پسندیدہ ہے کیونکہ اس نے اس سے حجت پکڑی ہے جو سواد اعظم کے مخالف ہے۔ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ یہ مصحف ابی میں اس طرح ہے تو یومئذ یوفیھم اللہ الحق دینھم۔ کی قرأت جائز ہوتی۔ دینھم، الحق سے بدل ہوتا اور عام قراء کی قرأت پر دینھم الحق کے لیے صفت ہے یہ معنی بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ انہیں حق کے ساتھ جزا دے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (سبا) کیونکہ کافر اور مجرم کو اللہ تعالیٰ کا جزا دینا حق اور عدل کے ساتھ ہے اور محسن کو اللہ تعالیٰ کا جزا دینا احسان اور فضل کے ساتھ ہے۔ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو اسم ہیں۔ ہم نے ان دونوں اسماء کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے اور خصوصاً الکتاب الاسنیٰ میں کیا ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لیے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ مبرا ہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگاتے ہیں ان کے لیے ہی (اللہ کی) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے''۔

ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے عورتوں میں سے خبیث عورتیں (1)، مردوں میں سے خبیث مردوں کے لیے ہیں اسی طرح خبیث مرد، خبیث عورتوں کے لیے ہیں۔ اسی طرح پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں۔ مجاہد نے ابن جبیر، عطا اور اکثر مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے خبیث کلمات، خبیث مردوں کے لیے ہیں اسی طرح خبیث لوگ، خبیث باتوں کے لیے ہیں اسی طرح پاکیزہ کلمات پاکیزہ لوگوں کے ہیں اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں۔ نحاس نے کہا: معانی القرآن کی کتاب میں کہا: یہ قول اس آیت میں احسن ہے اس قول کی صحت پر دلیل اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ۔ کا ارشاد ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صفوان رضی اللہ عنہما مبرا ہیں جو خبیث مرد اور خبیث عورتیں کہتی ہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ آیت اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً پر مبنی ہے۔ الخبیثات سے مراد بدکار عورتیں ہیں اور الطیبات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں۔ اسی طرح الطیبون اور الطیبات ہے؛ اس قول کو بھی نحاس نے اختیار کیا ہے یہی ابن زید کے قول کا معنی ہے۔ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ یعنی جنس مراد ہے۔ بعض نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان مراد ہیں پھر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ (النساء: 11) یہاں مراد اخوان ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مبرءون یعنی جوان پر تہمت لگائی گئی ہے اس سے مبرا ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی برأت کی جو پنگھوڑے میں تھا اور حضرت مریم علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے برأت کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کے ذریعے آپ کی برأت کی۔ پس اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے لیے کسی بچے اور نبی کی براءت کے ساتھ راضی نہ ہوا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے بہتان اور تہمت سے آپ کی براءت فرمائی۔

علی بن زید بن جدعان سے مروی ہے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے نو چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو کسی عورت کو عطا نہیں کی گئیں۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا گیا تو جبریل میری صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں اترے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شادی کی تو میں باکرہ تھی میرے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باکرہ عورت سے نکاح نہیں کیا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ کی قبر مبارک میرے حجرے میں بنائی گئی، فرشتے میرے حجرے کو گھیرے رہتے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے اہل بیت کے پاس ہوتے تو وہ لوگ آپ سے وحی کے دوران جدا ہو جاتے تھے اور اگر آپ پر وحی نازل ہوتی اور میں آپ کے ساتھ لحاف میں ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے جسم سے جدا نہیں فرماتے تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور صدیق کی بیٹی ہوں، میرا عذر آسمان سے نازل ہوا، میں پاکیزہ پیدا کی گئی اور پاکیزہ کے پاس رہی، مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ فرمایا: اس سے مراد جنت ہے (2)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 187 2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 374

اَهۡلِهَاؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝

"اے ایمان والوں نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کرلو ان گھروں میں رہنے والوں پر یہی بہتر ہے تمہارے لیے شاید تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو"۔

اس میں سترہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا ابن آدم جس کو الله تعالیٰ نے کرامت وفضیلت سے نوازا اسے منازل کے ساتھ خاص فرمایا اور انہیں گھروں میں آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور علیحدگی میں انہیں لطف اندوز ہونے کا مالک بنایا اور مخلوق پر پابندی لگا دی کہ باہر سے انہیں جھانکیں یا مالکوں کی اجازت کے بغیر ان گھروں میں داخل ہوں انہیں پردے کے آداب سکھائے تاکہ کوئی کسی پوشیدہ چیز پر مطلع نہ ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی قوم کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکا تو ان کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں" (1)۔ اس کی تاویل میں اختلاف ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اگر وہ آنکھ پھوڑ دے گا تو اس پر ضامن ہوگا اور یہ خبر منسوخ ہے اور یہ الله تعالیٰ کے ارشاد: وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا (النحل: 126) کے نزول سے پہلے کی ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بطور وعید ہو حتمی طور پر نہ ہو۔ خبر جب کتاب الله کے مخالف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں ایک کلام فرماتے تھے جبکہ مراد کوئی دوسری چیز ہوتی تھی جیسا کہ حدیث میں ہے عباس بن مرداس نے جب آپ کی مدح کی تو آپ نے حضرت بلال کو فرمایا: "اٹھو اور اس کی زبان کاٹ دو"۔ اس سے مراد یہ تھا کہ اس کو کوئی چیز دے دو، حقیقۃً اس کی زبان کاٹنا مراد نہیں تھا۔ اسی طرح یہاں بھی احتمال ہے کہ آنکھ پھوڑنے کا ذکر ہو اور مراد اس کے ساتھ ایسا عمل کرنا ہو تاکہ اس کے بعد وہ کسی دوسرے کے گھر میں نہ دیکھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس پر کوئی ضمان اور قصاص نہیں ہے حضرت انس کی حدیث کی وجہ سے۔ ان شاء الله یہ صحیح ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ آیت کا شان نزول وہ ہے جو طبرانی وغیرہ نے عدی بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری عورت نے عرض کی: یا رسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر میں کبھی ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس حالت میں کوئی دیکھے نہ والد اور نہ بیٹا۔ پھر کبھی باپ آ جاتا ہے وہ مجھ پر داخل ہوتا ہے کبھی کوئی اور میرے اہل خانہ سے میرے پاس آ جاتا ہے جبکہ میں اس حالت میں ہوتی ہوں تو پھر میں کیا کروں۔ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے وہ سرائیں اور رہائش گاہیں جو شام کے راستہ پر ہیں ان میں کوئی رہنے والا نہیں ہوتا تو الله تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ۔

مسئلہ نمبر 3۔ الله تعالیٰ نے کسی غیر کے گھر میں دخول کی حرمت کی ایک غایت بیان کی ہے اور وہ استیناس ہے اور اس سے مراد اجازت طلب کرنا ہے۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے کہا ہمارے خیال میں استیناس سے مراد استیذان

1۔ صحیح مسلم، باب تحریم النظر، جلد 2، صفحہ 212

(اجازت طلب کرنا) ہے۔ حضرت ابی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر کی قرأت میں اسی طرح ہے: حتی تستأذنوا وتسلموا علی اھلھا۔ بعض علماء نے فرمایا: تستانسوا کا معنی ہے کوئی عمل کرو اس کے لیے جو گھر میں ہے تا کہ آپ کی آمد محسوس ہو جائے۔ مجاہد نے کہا: کھانسے اور عمل کرے جو ممکن ہو اور اتنی مقدار ٹھہر جائے کہ جس سے اس کی آمد معلوم ہو جائے پھر اس کے بعد داخل ہو۔ طبری نے کہا: اس کا یہی معنی ہے اسی سے یہ ارشاد ہے: فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (النساء: 6) یعنی تم جان لو۔ شاعر نے کہا:

آنَسَتْ نبأة وأفزعها القنّ ا ص عصراً وقد دنا الإمساء

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں ہے ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے بتایا انہوں نے واصل بن سائب سے روایت کیا انہوں نے ابوسورہ سے روایت کیا ہے انہوں نے ابوایوب انصاری سے روایت کیا فرمایا: ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سلام (تو ہم سمجھتے ہیں) یہ استیناس کیا ہے؟ فرمایا: "آدمی تسبیح، تکبیر، تحمید کے ساتھ بولے یا کھانسے اور گھر والوں کو (اپنی آمد سے) آگاہ کرے" (1)۔

میں کہتا ہوں: نص ہے کہ استیناس، استیذان کے علاوہ ہے جیسا کہ مجاہد اور ان کے ہم نوا علماء نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بعض لوگوں نے کہا: سعید بن جبیر سے مروی ہے حتی تستانسوا کاتب کی طرف وہم یا خطا ہے۔ یہ حتی تستاذنوا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام مصاحف اسلام میں حتی تستانسوا ثابت و موجود ہے۔ حضرت عثمان کے زمانہ سے اسی پر اجماع صحیح ہے اس کے خلاف جائز نہیں۔ کاتب پر خطا اور وہم کا اطلاق ایسے لفظ میں جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے ایسا قول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (فصلت)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حتی تسلموا علی اھلھا و تستانسوا، یہ قول ابوحاتم نے حکایت کیا ہے۔ حضرت ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے اس قول کی جو چیز نفی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ تستانسوا معنی میں ثابت ہے کلام عرب میں اس کی وجہ واضح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: أستانِسُ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اجازت چاہتا ہوں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔ یہ حدیث مشہور ہے یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انس طلب کیا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسی صورت میں اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے غلط کہہ سکتے ہیں؟

میں کہتا ہوں: ہم نے حضرت ابوایوب کی حدیث سے ذکر کیا ہے کہ استئناس سلام سے پہلے ہوتا ہے۔ آیت اپنے

1۔ سنن ابن ماجہ، باب الاستیذان، صفحہ 271۔ ایضاً، حدیث نمبر 3696، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

باب پر ہے اس میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں ہے جب داخل ہو تو سلام کرے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 5۔ تین مرتبہ اجازت طلب کرنا سنت ہے تین مرتبہ سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے (یعنی گھنٹی چوتھی مرتبہ نہ دے اور دروازہ چوتھی مرتبہ نہ کھٹکھٹائے)۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اس سے زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرے مگر وہ سمجھے کہ ابھی تک انہیں سنائی نہیں دیا۔ میں زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں دیکھتا جب اسے یقین ہو کہ (گھر والوں کو) سنائی نہیں دیا۔ استیذان (اجازت طلب) کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کہے: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں اگر اسے اجازت دی جائے تو داخل ہو جائے اگر اسے واپس جانے کا حکم ہو تو واپس چلا جائے اگر سکوت کیا گیا، ہو تو تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد واپس چلا جائے۔ ہم نے کہا: اجازت طلب کرنا تین بار ہے اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ہے جس پر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمل کیا تھا اس کی گواہی حضرت ابوموسیٰ کے لیے حضرت ابوسعید الخدری نے دی تھی پھر ابی بن کعب نے دی تھی یہ مشہور حدیث ہے جس کو الصحیح نے نقل کیا ہے اور یہ نص صریح ہے کیونکہ اس میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے پاس آنے سے تجھے کیا مانع تھا؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا: میں آیا میں نے تمہارے دروازے پر تین مرتبہ سلام کیا مجھ پر جواب نہ آیا تو میں واپس چلا گیا کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے'' (1)۔ رہا وہ جو ہم نے استیذان کی صورت ذکر کی ہے اسے ابوداؤد نے ربعی سے روایت کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے اس نے پوچھا: میں داخل ہو جاؤں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم کو فرمایا: ''تم اس کی طرف جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنا سکھاؤ'' (2)۔ تو خادم نے اسے کہا: تم کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اس شخص نے یہ سنا تو کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اجازت دی تو وہ داخل ہو گیا (3)۔ اس کو طبری نے ذکر کیا ہے اور کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لونڈی کو کہا اس کو روضہ کہا جاتا تھا۔ اس کو کہو کہ یہ کہے السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک دن گرمی نے اذیت دی تو وہ ایک قریشی عورت کے خیمہ پر آئے اور کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اس عورت نے کہا: سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ پھر آپ نے سوال لوٹایا تو اس نے یہی جواب دیا پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عورت سے کہا: تو کہہ داخل ہو جا۔ اس عورت نے یہ کہا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما داخل ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رک گئے جب اس نے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا کہا تھا کیونکہ لفظ میں احتمال تھا کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تم سلام کے ساتھ داخل ہو شخصیت کے ساتھ داخل نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اجازت طلب کرنا تین مرتبہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ کلام میں سے غالب یہ ہے جب تین مرتبہ تکرار کیا جائے تو سنا اور سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کلمہ سے کلام فرماتے

1۔ صحیح بخاری، التسلیم والاستیذان ثلاثاً، جلد 2، صفحہ 923	2۔ جامع ترمذی، ما جاء فی أن الاستیذان ثلاثاً، جلد 2، صفحہ 94

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب ابواب النوم، باب کیف الاستئذان، حدیث 4508، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تو اسے تین مرتبہ دہراتے تا کہ اسے سمجھا جائے۔ جب آپ کسی قوم پر سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔ جب یہ غالب مقدار پوری ہوجائے اور پھر بھی جواب نہ آئے تو اس کا مطلب ہے گھر کا مالک اجازت دینے کا ارادہ نہیں رکھتا یا شاید جواب سے کوئی عذر مانع ہے جس کو قطع کرنا ممکن نہیں۔ پس اجازت طلب کرنے والے کو واپس چلا جانا چاہیے، کیونکہ اس پر زیادتی گھر کے مالک کو پریشان کرے گی۔ بعض اوقات اصرار اذیت دیتا ہے حتیٰ کہ جس کام میں مشغول ہوتا ہے وہ منقطع ہوجاتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب کو فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کی تو وہ جلدی سے باہر آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شاید ہم نے تجھ پر جلدی کی ہے'' (الحدیث) (1)۔ عقیل نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے فرمایا: رہا تین مرتبہ سلام کہنا سنت تو اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: ''السلام علیکم!'' (2) گھر والوں نے جواب نہ دیا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''السلام علیکم!'' پھر انہوں نے جواب نہ دیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹ آئے۔ جب حضرت سعد نے پھر سلام کی آواز نہ پائی تو وہ جان گئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت سعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نکلے اور آپ کو ملے اور عرض کی: وعلیکم السلام! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کا سلام سن لیا تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے ساتھ واپس تشریف لائے اور حضرت سعد کے گھر میں داخل ہوئے (3)۔ ابن شہاب نے کہا: آپ کی طرف سے تین مرتبہ سلام فرمایا گیا ہے۔ اس کو ولید بن مسلم نے اوزاعی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے یحییٰ بن کثیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ نے بتایا انہوں نے قیس بن سعد سے روایت فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ کے گھر تشریف لائے اور کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!'' انہوں نے کہا: حضرت سعد نے آہستہ سے جواب دیا۔ قیس نے کہا میں نے کہا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا: ''چھوڑو تا کہ آپ کثرت سے ہم پر سلام فرمائیں'' (الحدیث)۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ ابن شہاب نے کہا تین مرتبہ سلام کرنا آپ کی طرف سے کیا گیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا: عمر بن عبدالواحد اور ابن سماعہ نے اوزاعی سے مرسلاً روایت کیا ہے ان دونوں حضرات نے قیس بن سعد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اجازت طلب کرنا، اس پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: کیونکہ لوگوں نے اب دروازے بنا لیے ہیں اور ان کو کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے دروازے پر آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے: ''السلام علیکم، السلام علیکم'' (4)۔ یہ اس لیے تھا کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 30
2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی افشاء السلام، جلد 2، صفحہ 94
3۔ ابوداؤد، باب کیف الاستئذان، حدیث 4511، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ سنن ابی داؤد، کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستئذان، جلد 2، صفحہ 349

مسئلہ نمبر 8۔ اگر دروازہ بند ہوتا تو آنے والا جہاں چاہے کھڑا ہو اور اجازت طلب کرے اگر چاہے تو دروازہ کھٹکھٹائے کیونکہ یہ حضرت ابو موسیٰ نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں مدینہ طیبہ میں کنویں کے منڈیر پر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں میں اپنی ٹانگیں لمبی کر دیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: ''اسے اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی دو'' (1)۔ اسی طرح عبد الرحمن بن ابی الزناد نے اس کو روایت کیا ہے۔ صالح بن کیسان، یونس بن یزید نے ان کی متابعت کی ہے۔ ان تمام نے اس کو ابو الزناد سے انہوں نے ابو سلمہ سے انہوں نے عبد الرحمن بن نافع سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے۔ محمد بن عمرو لیثی نے ان کی مخالفت کی ہے انہوں نے ابو الزناد سے انہوں نے ابو سلمہ سے انہوں نے نافع بن عبد الحارث سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی ہے۔ پہلی سند صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کھٹکھٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ آہستہ سے کھٹکھٹایا جائے حتیٰ کہ سن لیا جائے۔ سختی سے نہ کھٹکھٹائے۔ حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے؛ یہ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ بخاری و امام مسلم وغیرہما نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (2) فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کون ہے؟'' میں نے کہا: میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں میں''۔ گویا آپ نے ''میں'' کہنا ناپسند کیا (3)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے یہ ناپسند فرمایا تھا کیونکہ میں کے لفظ سے تعریف حاصل نہیں ہوتی اس میں حکم یہ ہے کہ اپنا نام ذکر کرے جس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ نے کیا تھا، کیونکہ نام کے ذکر کرنے میں سوال اور جواب کی کلفت ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانہ میں تشریف فرما تھے عرض کی: السلام علیك یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! السلام علیکم أیدخل عمر (4) (کیا عمر داخل ہو سکتا ہے؟) صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو موسیٰ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: السلام علیکم۔ یہ ابو موسیٰ ہے۔ السلام علیکم۔ یہ اشعری ہے (الحدیث)۔

مسئلہ نمبر 11۔ خطیب نے اپنی جامع میں علی بن عاصم واسطی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں بصرہ میں آیا تو شعبہ کے گھر آیا میں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: اے شخص! میرا تو کوئی ایسا دوست نہیں جس کو ''میں'' کہا جاتا ہو۔ پھر وہ میری طرف نکلے اور کہا: مجھے محمد بن منکدر نے بتایا انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا فرمایا: میں کسی کام کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ میں نے ان کا دروزاہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: ''میں میں'' (5)۔ گویا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس قول کو ناپسند فرمایا۔

1۔ صحیح بخاری، الفتنۃ التی تموج کموج البحر، جلد 2، صفحہ 1051
2۔ ایضاً، اذا قال من ذا فقال أنا، جلد 2، صفحہ 923
3۔ سنن ابی داؤد، دق الباب عند الاستیذان، جلد 2، صفحہ 349
4۔ ابو داؤد، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاہ، حدیث 4525
5۔ سنن ابی داؤد، دق الباب عند الاستیذان، جلد 2، صفحہ 349

عمر بن شیبہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہمیں محمد بن سلام نے بتایا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا فرمایا: میں نے عمرو بن عبید کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: غیب تو صرف الله تعالیٰ جانتا ہے۔ خطیب نے کہا: میں نے علی بن محسن قاضی کو بعض شیوخ سے یہ حکایت کرتے ہوئے سنا کہ جب ان کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا وہ پوچھتے: کون؟ دروازے پر کھڑا شخص کہتا میں تو شیخ صاحب فرماتے: انا (میں) ھَمّ دق۔

مسئلہ نمبر 12۔ ہر قوم کا استیذان میں اپنا عرف ہے جیسا کہ ابو بکر خطیب نے مسنداً ابو عبد الملک مولیٰ ام مسکین بنت عاصم بن عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے میری مالکن نے حضرت ابو ہریرہ کے پاس بھیجا وہ میرے ساتھ آئے جب دروازے پر کھڑے ہوئے تو فرمایا: اندرایم؟ میری مالکن نے کہا: اندرون۔ انہوں نے عنوان باندھا ہے "باب الاستیذان بالفارسیۃ" (عجمی زبان میں اجازت طلب کرنا) احمد بن صالح سے روایت کیا گیا ہے فرمایا: دراوردی اہل اصبہان سے تھے وہ مدینہ طیبہ آئے تو جو شخص ان کے پاس آنے کا ارادہ کرتا اسے کہتے اندرون۔ اہل مدینہ نے اس کا لقب دراوردی رکھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ ابو داؤد نے حضرت کلدۃ بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ حضرت صفوان بن امیہ نے اسے بارگاہ رسالت میں دودھ، ہرن کا بچہ اور ضغابیس (ایک قسم کی بوٹی ہے جو سرکہ اور تیل میں پکا کر کھائی جاتی ہے) دے کر بھیجا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی بالائی طرف میں تھے۔ میں حاضر ہوا اور میں نے سلام نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو واپس جا اور کہہ السلام علیکم"۔ یہ حضرت صفوان بن امیہ کے اسلام لانے کے بعد کا واقعہ ہے (1)۔ ابو زبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو سلام سے آغاز نہ کرے اسے اجازت نہ دو"۔ ابن جریج نے ذکر کیا ہے کہ عطا نے مجھے بتایا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب کوئی شخص کہے: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اور سلام نہ کرے تو تم کہو: نہیں حتیٰ کہ تو چابی لے آئے۔ میں نے پوچھا: چابی سے مراد السلام علیکم ہے؟ فرمایا: ہاں۔ روایت ہے کہ حضرت حذیفہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے جو کچھ گھر میں تھا اسے دیکھا پھر کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت حذیفہ نے کہا: اپنی آنکھوں کے ساتھ تو تو داخل ہو چکا ہے اور سرین کے ساتھ داخل نہیں ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اس مسئلہ میں یہ بھی ہے جو ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف اپنا پیغام رسان بھیجنا اس کی طرف سے اجازت ہے" (2) یعنی اس نے اسے بلا بھیجا تو اس نے اسے اندر داخل ہونے کی اجازت دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کی وضاحت کرتا ہے: "جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ پیغام رساں کے ساتھ آئے تو یہ اس کے لیے اجازت ہے"۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

1۔ ابو داؤد، کتاب ابواب النوم کیف الاستئذان، حدیث 4507۔

ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ماجاء فی التسلیم قبل الاستئذان، حدیث 2634

2۔ سنن ابی داؤد، فی الرجل یدعی أیکون ذالک اذنہ، جلد 2، صفحہ 349

مسئلہ نمبر 15۔ جب نظر پر نظر پڑھ جائے تو سلام متعین ہو جاتا ہے اندر والے کا تجھے دیکھنا تیرے داخل ہونے کے لیے اذن نہ ہوگا جب تک تو سلام کا حق ادا نہ کرے گا کیونکہ تو اس پر وارد ہونے والا ہے۔ تو کہے گا: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ وہ اگر تجھے اجازت دے تو فبہا ورنہ تو واپس لوٹ آئے۔

مسئلہ نمبر 16۔ یہ تمام احکام اس گھر کے بارے میں ہیں جو تمہارا نہیں ہے۔ رہا تمہارا اپنا گھر تو اگر اس میں تمہارے اہل ہیں تو پھر ان سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں مگر تو ان پر سلام کر جب بھی تو داخل ہو۔ قتادہ نے کہا: جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں پر سلام کر وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں (1) جنہیں تو سلام کرتا ہے اگر اس گھر میں تیرے ساتھ تیری والدہ یا تیری ہمشیرہ ہے تو علماء فرماتے ہیں: پہلے تو کھانسی کر اور زمین پر زور سے پاؤں مارتا کہ وہ تیری آمد کے متعلق آگاہ ہو جائیں کیونکہ تیرے اور تیرے اہل کے درمیان تو کوئی حشمت نہیں لیکن والدہ اور ہمشیرہ کبھی ایسی حالت میں ہوتی ہیں جس میں تو انہیں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ابن القاسم نے کہا: امام مالک نے فرمایا: آدمی اپنی والدہ اور اپنی ہمشیرہ سے اجازت طلب کرے جب وہ ان کے پاس جانے کا ارادہ کرے۔ عطا بن یسار نے روایت کیا ہے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: کیا میں اپنی والدہ سے بھی اجازت طلب کروں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ اس شخص نے عرض کی: حضور! میں اس کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اجازت طلب کر''۔ تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو اسے برہنہ حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تو اس سے اجازت طلب کر''۔ یہ طبری نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر اپنے گھر میں داخل ہو جس میں اور کوئی نہیں رہتا تو ہمارے علماء نے کہا: وہ کہے: السلام علینا من ربنا التحیات الطیبات المبارکات للہ السلام۔ اس کو ابن وہب نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ قتادہ نے کہا: جب تو ایسے مکان میں داخل ہو جہاں کوئی نہیں ہے تو تو کہہ: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اس کا تجھے حکم دیا گیا ہے فرمایا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح سلام اور استیذان کا ترک ہے۔ واللہ اعلم۔ میں کہتا ہوں: قتادہ کا قول بہتر ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

''پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

1۔ ترمذی، باب ما جاء فی التسلیم اذا دخل بیتہ، حدیث 2622

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا۔ فِیْهَاۤ میں ضمیر کا مرجع دوسروں کے گھر ہیں۔ طبری نے مجاہد سے حکایت کیا ہے انہوں نے کہا: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا کا معنی یہ ہے کہ تمہارا ان کے گھروں میں سامان نہ ہو۔ طبری نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ انتہائی ضعف میں ہے گویا مجاہد کا خیال ہے کہ وہ گھر جن میں کوئی رہنے والا نہیں تو ان میں بغیر اجازت کے داخل ہوسکتا ہے جب داخل ہونے والے کا اس میں سامان ہو۔ انہوں نے المتاع کے لفظ سے متاع البیت مراد لیا ہے۔ جو کالین اور کپڑے وغیرہ ہیں یہ سب ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ماقبل آیت سے اور احادیث سے منسلک ہے۔ تقدیر یوں ہے: یایھا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا و تسلموا فان اذن لکم فادخلوا والا فارجعوا۔ یعنی اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ گھروں میں داخل نہ ہو حتی کہ تم اجازت طلب کرلو اور سلام کرلو اگر تمہیں اجازت دی جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ جیسا کہ حضرت سعد کے ساتھ نبی پاک ﷺ نے کیا تھا اور حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ اگر تم ان میں کسی کو نہ بتاؤ جو تمہیں اجازت دے تو تم ان میں داخل نہ ہو حتی کہ تم اجازت پالو۔ طبری نے قتادہ سے سند کے ساتھ روایت کیا فرمایا ایک مہاجر نے کہا: میں ساری عمر اس آیت پر عمل کو تلاش کرتا رہا میں نے نہیں پایا کہ میں کسی دوست سے اجازت طلب کروں اور وہ مجھے کہے: لوٹ جاؤ پھر میں لوٹ جاؤں جبکہ میں خوش ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ۔

مسئلہ نمبر 2۔ خواہ دروازہ بند ہو یا کھلا ہو کیونکہ شرع نے دخول کی تحریم کے ساتھ اس کو بند کر دیا ہے حتی کہ اس کے مالک کی اجازت اسے کھول دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ دروازے پر آئے اور اجازت کا اس طریقہ پر ارادہ کرے جس سے گھر پر مطلع نہ ہو نہ آنے میں اور نہ لوٹنے میں گھر پر آگاہی ہو۔ ہمارے علماء نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس نے اپنی آنکھوں کو گھر کے صحن سے بھرا اس نے فسق کا ارتکاب کیا۔ صحیح نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے دروازے کی دراز سے جھانکا جبکہ نبی پاک ﷺ کے ہاتھ میں کنگھی تھی جس کے ساتھ آپ سر کو کنگھی کر رہے تھے نبی پاک ﷺ نے اسے فرمایا: ''اگر میں جانتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں تیری آنکھوں میں اس کے ساتھ مارتا۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کی وجہ سے اذن کو مقرر کیا ہے''(1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''جو تجھ پر بغیر اجازت کے جھانکے پھر تو کنکری کے ساتھ اس کو مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گرفت نہیں ہوگی''۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت شرط ہے تو یہ چھوٹے اور بڑے کی طرف سے ہوگا۔ حضرت انس بن مالک بلوغت سے پہلے نبی پاک ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام اپنے بچوں اور لڑکوں کے ساتھ کرتے تھے اس کا مزید بیان سورت کے آخر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨﴾ گھروں کی جاسوسی کرنے والوں کے لیے اور

1۔ جامع ترمذی، من اطلع فی دار قوم بغیر اذنهم، جلد 2، صفحہ 95

گناہوں اور غیر حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے غفلت کی حالت میں دخول کے طلب کرنے والوں کے لیے وعید ہے اور ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو ممنوع چیز پر واقع ہوتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۲۹

''کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں جن میں تمہارا سامان رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو''۔

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ روایت ہے کہ جب آیت استیذان نازل ہوئی تو بعض لوگ اس میں زیادہ تکلف کرنے لگے وہ کسی کھنڈر یا کسی خالی مقام پر آتے تو سلام کرتے اور اجازت طلب کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے گھر میں اجازت طلب کرنا اٹھا دیا جہاں کوئی رہنے والا نہ ہو کیونکہ استیذ ان کی علت یہ ہے کہ حرمات نہ کھلیں تو جہاں کوئی رہنے والا ہی نہیں تو علت ہی نہ پائی گئی اور حکم بھی زائل ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ان گھروں سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت محمد بن حنفیہ، قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہوٹل ہیں جو راستوں پر ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: ان میں رہتا کوئی نہیں بلکہ یہ ہر مسافر کے آرام کے لیے وقف ہوتے ہیں ان میں ان کا متاع ہوتا ہے یعنی ان کی منفعت سے لطف اندوز ہونا۔ حضرت محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مکہ کے گھر ہیں۔ اس کو امام مالک کا قول بیان کرتا ہے۔ یہ اس قول کی بنا پر ہیں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہیں لوگ سب ان میں شریک ہیں کیونکہ مکہ سختی کے ذریعے فتح کیا گیا تھا۔ ابن زید اور شعبی نے کہا: سبزیوں کی دکانیں ہیں (1)۔ امام ثعلبی نے کہا: وہ لوگ اپنی اشیاء لے کر آتے تھے اور ان مکانوں میں رکھتے تھے اور لوگوں کو کہتے تھے: ادھر آؤ، ادھر آؤ۔ عطا نے کہا: اس سے مراد وہ کھنڈرات ہیں جہاں لوگ پیشاب پاخانہ کے لیے جاتے ہیں اس میں متاع ہے۔ جابر بن زید نے کہا: یہاں متاع سے مراد سامان نہیں ہے اس کے علاوہ حاجت ہے خواہ وہ منزل ہو جہاں لوگ دن یا رات کے وقت ٹھہرتے ہوں یا ایسی کھنڈر جگہ جہاں لوگ قضاء حاجت کے لیے داخل ہوتے ہوں یا ایسا گھر جس کو دیکھا جاتا ہو یہ متاع ہے دنیا کی ہر منفعت متاع ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ عمدہ شرح ہے ائمہ مسلمین کے امام کے قول سے اور یہ لغت کے موافق ہے۔ کلام عرب میں متاع کا معنی منفعت ہے اسی سے ہے: امتع اللہ بك۔ اللہ تعالیٰ تجھے منفعت دے۔ اسی سے ہے فَمَتِّعُوْهُنَّ (الاحزاب: 49)

میں کہتا ہوں: قاضی ابو بکر بن عربی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور جنہوں نے متاع کی تفسیر بغیر تغیر کے انتفاع سے کی ہے تو انہوں نے مفصل کو ڈھانپ دیا اور قول فیصل کو لے آئے اور یہ بیان کیا کہ ان میں داخل ہونے والا وہ ہے جس کے لیے انتفاع میں سے کچھ ہو۔ پس طالب علم مدارس میں داخل ہوتا ہے، رہنے والا ہوٹلوں اور سراؤں میں داخل ہوتا ہے اور گاہک

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 191

سامان خریدنے کے لیے دکان میں داخل ہوتا ہے، پیشاب کرنے والا حاجت کے لیے بیت الخلا میں داخل ہوتا ہے ہر ایک اپنے کام کے لیے آتا ہے۔ رہا ابن زید اور شعبی کا قول تو وہ بھی ایک قول ہے وہ یہ کہ سبزیوں کے مکانات لوگوں کے اموال کی وجہ سے ممنوع ہوتے ہیں ہر داخل ہونے والے کے لیے بالاجماع مباح نہیں ہوتے اور ان میں داخل نہیں ہو سکتا مگر جسے ان کا مالک اجازت دے بلکہ ان کے ارباب لوگوں کو دور کرنے کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

''آپ حکم دیجیے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لیے، بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اللہ تعالیٰ نے پردے کے ساتھ نظر کے امر کو ملایا۔ کہا جاتا ہے: غض بصرہ یغضہ غضاً۔ شاعر نے کہا:

أَغُضُّ طرفي مابَدَتْ لِي جارتي حتى يُوارِيَ جارتي مأواها

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نہیں کیا جس سے نظر کو بچانا ہے اور فرج کی حفاظت کرنی ہے لیکن یہ معلوم و معروف ہیں اس سے مراد محرم ہے محلل نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن ابی حسن نے حسن کو کہا: عجمیوں کی عورتیں اپنے سینے اور اپنے سر کھلے رکھتی ہیں (1)؟ تو آپ نے فرمایا: تو اپنی نظر کو پھیر لے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ قتادہ نے کہا: یعنی ان کے لیے جو حلال نہیں اس سے آنکھیں نیچے رکھیں اور اس سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ یعنی خیانت کرنے والی نظروں سے اور ممنوعہ چیزوں کے ذریعے دیکھنے سے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں من زائدہ ہے جیسے اس ارشاد میں من زائدہ ہے۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ) بعض نے کہا: یہ من تبعیضیہ ہے کیونکہ کچھ دیکھنا مباح ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: الغض کا معنی نقصان ہے کہا جاتا ہے: غض فلان من فلان، یعنی اس سے کمی کر دی۔ آنکھوں کو جب عمل سے روک دیا گیا ہو تو وہ نیچی کی گئی ہے اور اس میں کمی کی گئی ہے پس من الغض کے متعلق ہو گیا نہ تبعیض کے لیے ہو گا اور نہ زائدہ ہو گا۔

مسئلہ نمبر 3۔ آنکھ، دل کی طرف بہت بڑا دروازہ ہے اور حواس کے طرق کو اس کی طرف بہت زیادہ پہنچاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی بنا پر سقوط بہت زیادہ ہوتا ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے اور تمام محرمات سے آنکھ کا جھکانا واجب ہے اور ہر اس چیز سے آنکھوں کو نیچا کرنا ضروری ہے جس سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 191

''راستوں پر بیٹھنے سے بچو''(1)، صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ان مجالس پر بیٹھنا ہماری مجبوری ہے ہم یہاں آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمہیں ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کرو''(2)۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ''آنکھ کا جھکانا، اذیت سے رکنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا''(3)۔ اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری نے روایت کیا ہے۔ اس کو بخاری و مسلم نے تخریج کیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''غیر محرم کی طرف متواتر نہ دیکھو پہلی نظر معاف ہے، دوسری نظر تجھے معاف نہیں''(4)۔ اوزاعی نے روایت کیا ہے فرمایا مجھے ہارون بن رئاب نے بیان کیا کہ غزوان اور حضرت ابوموسیٰ اشعری دونوں کسی جنگ میں تھے ایک عورت کا ستر کھل گیا تو غزوان نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی آنکھ پر زور سے طمانچہ مارا حتی کہ آنکھ سوج گئی اور کہا: تو ایسی چیز کی طرف دیکھتی ہے جو تجھے نقصان دیتی ہے نفع نہیں دیتی ہے۔ پھر غزوان، حضرت ابوموسی سے ملے اور ان سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تو نے اپنی آنکھ پر ظلم کیا ہے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور استغفار کرو کیونکہ پہلی نظر دیکھنا اس کے لیے جائز تھا اور اس کے بعد ممنوع تھا۔ اوزاعی نے کہا: غزوان نے اپنے نفس پر ضبط کیا اور کبھی نہ ہنسے حتی کہ وصال ہو گیا۔ صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ سے اچانک اٹھنے والی نظر کے بارے پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنی آنکھ پھیرنے کا حکم دیا۔ یہ اس کے قول کو تقویت دیتی ہے جو کہتے ہیں کہ من تبعیض ہے کیونکہ پہلی نظر پر کنٹرول نہیں ہوتا وہ خطاب تکلیف میں داخل نہیں کیونکہ اس کا وقوع قصداً نہیں ہوتا اور نہ اس میں انسان کا کسب ہوتا ہے نہ اس کے روکنے کا مکلف ہوتا ہے پس اس لیے تبعیض واجب ہے۔ یہ فرج کے بارے میں نہیں فرمایا کیونکہ اس پر ضبط نہیں ہوتا۔ شعبی نے اپنی بیٹی یا اپنی ماں یا اپنی بہن کو متواتر دیکھنے کو مکروہ کہا ہے۔ ان کا زمانہ ہمارے اس زمانہ سے بہتر تھا اور کسی محرمہ عورت کی طرف بار بار شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ یعنی اپنی شرمگاہوں کو اس سے چھپاؤ جس کا دیکھنا حلال نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ہے زنا سے بچاؤ۔ اس قول کی بنا پر من فروجھم ہوتا تو بھی جائز ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ تمام مفہوم مراد ہیں۔ لفظ عام ہے۔ بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا فرمایا: میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم اپنی شرمگاہوں میں سے کس کو چھپائیں اور کس کو کھلا چھوڑیں؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو مگر اپنی زوجہ اور کنیز اس سے مستثنیٰ ہیں''(5)۔ اس شخص نے پوچھا: ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ شرمگاہ کو کوئی نہ دیکھے تو ایسا ضرور کر''(6)۔ میں نے عرض کی: کبھی انسان تنہا ہوتا ہے۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیاء کیا جائے''۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک

1۔ صحیح بخاری، أفنية الدور والجلوس فيها والجلوس على الصعدات، جلد 1، صفحہ 333   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً

4۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب مایؤمر به من رد البصر، حدیث 1837، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ جامع الترمذی، ما جاء فی حفظ العورة، جلد 2، صفحہ 103   6۔ ایضاً

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ اپنی حالت کا ذکر کیا اور فرمایا: نہ میں نے آپ کی شرمگاہ دیکھی اور نہ آپ نے میری شرمگاہ دیکھی۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت کی وجہ سے علماء نے بغیر ازار کے حمام میں داخل ہونے کو حرام قرار دیا ہے حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو انسان خرچ کرتا ہے اس میں سے بہتر وہ درہم ہے جو وہ خلوت میں حمام کے لیے دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حمام میں داخل ہوئے جبکہ وہ جحفہ میں محرم تھے۔ پس مردوں کے لیے حمام میں ازار کے ساتھ داخل ہونا جائز ہے اسی طرح عورتوں کے لیے ضرورت کے لیے داخل ہونا جائز ہے جیسے حیض ونفاس سے غسل کے لیے یا ایسی مرض کے لیے جو عورتوں کو لاحق ہوتی ہیں عورتوں کے لیے افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنے گھروں میں غسل کریں۔ احمد بن منیع نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حسن بن موسیٰ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابن لہیعہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں زبان نے بتایا انہوں نے حضرت سہل بن معاذ سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ام درداء سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ام درداء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ملے جبکہ میں حمام سے نکلی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "ام الدرداء کہاں سے آرہی ہے"(1) انہوں نے کہا: حمام سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو عورت اپنے گھر کے علاوہ کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور رحمٰن کے درمیان ہر پردے کو پھاڑنے والی ہوتی ہے"۔ ابوبکر بزار نے طاؤس سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس گھر سے بچو جس کو حمام کہا جاتا ہے" صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ میل کو صاف کرتا ہے۔ فرمایا: "پھر پردہ کرو"۔ ابو محمد عبدالحق نے کہا: یہ اس باب میں سند کے اعتبار سے اصح حدیث ہے لوگ اس کو طاؤس سے مرسل روایت کرتے ہیں اور ابوداؤد نے جو اس بارے میں حظر واباحت سے روایت کیا ہے اسانید کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے، اسی طرح جو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس زمانہ میں حمام میں داخل ہونا اہل فضل اور اہل دین پر حرام ہے کیونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے اور لوگ اسے سہل سمجھنے لگے ہیں جب وہ حمام کے درمیان میں ہوتے ہیں تو اپنے ازار پھینک دیتے ہیں حتی کہ ہر ایک خوش شکل بزرگ آدمی حمام کے وسط میں کھڑا نظر آتا ہے اس کے باہر والا حصہ اس کی شرمگاہ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اسے اپنی رانوں کے درمیان سمیٹے ہوئے ہوتا ہے اور کوئی بھی اسے منع نہیں کرتا یہ معاملہ مردوں میں ہے عورتوں کی کیا حالت ہوگی خصوصاً مصری شہروں میں کیونکہ ان کے حمام تو ان پاکیزہ عورتوں سے خالی ہوتے ہیں جو لوگوں کی نظروں سے چھپتی ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر وہ حمام میں ستر کے ساتھ داخل ہو تو دس شرائط کے ساتھ داخل ہو۔

1- وہ صرف علاج کی نیت سے، پسینہ سے طہارت حاصل کرنے کی نیت سے۔

1۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث اُم الدرداء، جلد 6، صفحہ 362

2- خلوت اور لوگوں کے کم ہونے کے وقت داخل ہو۔

3- اپنی شرمگاہ کو موٹے کپڑے سے ڈھانپے۔

4- اس کی نظر زمین کی طرف ہو یا سامنے والی دیوار کی طرف ہو تا کہ کسی ممنوع چیز پر نظر نہ پڑے۔

5- کسی برائی کو دیکھے تو نرمی سے منع کرے وہ کہے: پردہ کرو اللہ تجھ پر پردہ ڈالے۔

6- اگر کوئی شخص اس کے جسم کو مل رہا ہو تو اسے شرمگاہ پر قدرت نہ دے مرد کی شرمگاہ ناف سے گھٹنے تک ہے ہاں بیوی یا کنیزہ ہو تو ان سے ستر کی صفائی کرا سکتا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ران شرمگاہ ہے یا نہیں۔

7- اجرت معلومہ جو شرط کے ساتھ معلوم ہو یا لوگوں کی عادت کے ساتھ معلوم ہو اس کی ادیگی کے ساتھ داخل ہو۔

8- ضرورت کی مقدار پانی انڈیلے۔

9- اگر وہ تنہا حمام میں داخل ہونے پر قادر نہ ہو تو اس قوم کے ساتھ اتفاق کرے جو اپنے ادیان کی حفاظت کرتے ہیں اپنے کپڑے پر۔

10- جہنم کو یاد کرے اگر یہ سب کچھ ممکن نہ تو اسے پردہ کرنا چاہیے اور آنکھوں کو نیچا رکھنے میں کوشش کرے۔

امام ترمذی ابو عبداللہ نے نوادر الاصول میں طاؤس عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس مکان سے بچو جس کو حمام کہا جاتا ہے'' عرض کی گئی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ میل کو دور کرتا ہے اور آگ یاد دلاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم ضرور ایسا کرنے والے ہو تو ستر ڈھانپ کر داخل ہو''(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہتر گھر جس میں مسلمان مرد داخل ہوتا ہے وہ حمام ہے۔ یہ اس لیے کیونکہ وہ جب اس میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہے اور آگ سے پناہ مانگتا ہے اور برا گھر وہ ہے جس میں مرد داخل ہوتا ہے وہ بیت العروس ہے کیونکہ وہ اسے دنیا کی رغبت دیتا ہے اور اسے آخرت بھلا دیتا ہے''۔ ابو عبداللہ نے کہا: یہ اہل غفلت کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اس کے ساتھ جو اس میں ہے اہل غفلت کی تذکیر کا سبب بنایا ہے تا کہ وہ اس کے ذریعے اپنی آخرت کو یاد کریں۔ رہے اہل یقین تو آخرت ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہے، نہ انہیں حمام اچھا لگتا ہے اور نہ بیت عروس انہیں اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا بہت حقیر ہے حتی کہ دنیا کی تمام نعمتیں ان کی آنکھوں میں ایک بڑے دستر خوان بکھرے ہوئے کھانے کی طرح ہیں اور دنیا کی تمام تکالیف ان کی آنکھوں میں اس قتل کی مانند ہیں جس کے ساتھ اس مجرم یا گنہگار کو سزا دی جاتی ہے جو اہل دنیا کی تمام عقوبات میں سے قتل یا سولی چڑھانے کا مستحق ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یعنی نظروں کو نیچا کرنا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا دین میں پاکیزہ ہے اور انسانوں کی میل کچیل سے بہت دور ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ اللہ تعالیٰ جاننے والا بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝ یہ دھمکی اور وعید ہے۔

1۔ جامع ترمذی، ماجاء علی الجالس فی الطریق، جلد 2، صفحہ 97

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا
لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ
التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ
النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ
جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

''اور آپ حکم دیجیے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں میں اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائشوں کو مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے یا اپنے بھتیجوں کے لیے اور اپنے بھانجوں کے لیے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہش مند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تا کہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تا کہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ''۔

اس میں تیئس (23) مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یہاں اللہ تعالیٰ نے تاکید کے طریق پر عورتوں کو خطاب کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ کا قول کافی تھا کیونکہ وہ عام ہے مومنین میں سے مذکر و مونث سب کو شامل ہے جیسا کہ ہر خطاب جو قرآن میں عام ہے۔ يَغْضُضْنَ میں تضعیف ظاہر ہے جبکہ يَغُضُّوْا میں ظاہر نہیں ہے کیونکہ فعل کا لام کلمہ دوسرے میں ساکن ہے اور پہلے میں متحرک ہے یہ دونوں فعل امر کے جواب کی وجہ سے محل جزم میں ہیں۔ فرج کے ذکر سے پہلے غض بصر کا ذکر فرمایا کیونکہ نظر دل کے لیے جاسوس ہے جیسا کہ بخار موت کے لیے جاسوس ہے یہ مفہوم ایک شاعر نے بیان کیا ہے:

ألم تر أنّ العين للقلب رائد　　فما تألف العينان فالقلب آلف

آنکھ دل کی جاسوس ہے آنکھیں جس کو پسند کرتی ہے دل بھی اس سے الفت کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے اپنی نظر کو نیچا کیا اللہ تعالیٰ دل میں اسے مٹھاس عطا فرماتا ہے''(1)۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 173، حدیث 10362

مجاہد نے کہا: جب عورت آتی ہے تو شیطان اس کے سر پر ہوتا ہے وہ اسے خوبصورت بناتا ہے اس کے لیے جو اسے دیکھتا ہے جب وہ واپس جاتی ہے تو وہ اس کے پچھلے حصہ پر بیٹھا ہوتا ہے وہ اسے مزین کرتا ہے اس کے لیے جو اسے دیکھتا ہے۔ خالد بن ابی عمران سے مروی ہے: متواتر نظر سے نہ دیکھو بعض اوقات بندہ دیکھتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا دل فاسد ہوتا ہے جس طرح چمڑا خراب ہوتا ہے تو اس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو غیر حلال چیزوں سے نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے پس مرد کے لیے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں اور عورت کے لیے مرد کو دیکھنا جائز نہیں کیونکہ عورت کا مرد سے وہ تعلق ہے جو مرد کا عورت سے تعلق ہے۔ عورت کا مرد سے وہی قصد ہے جو مرد کا عورت سے قصد ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھا ہے تو وہ ضرور اسے پائے گا آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے'' (الحدیث)(1)۔

زہری نے ان عورتوں کو دیکھنے کے بارے فرمایا جن کو حیض نہیں آتا: ایسی عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں جن کو دیکھنے کی طرف نظر شوق کرتی ہو اگرچہ وہ چھوٹی بھی ہوں۔ عطا نے ان لونڈیوں کی طرف دیکھنا بھی مکروہ قرار دیا ہے جو مکہ میں بیچی جاتی ہیں مگر وہ خریدنے کا ارادہ کرتا ہے تو دیکھ سکتا ہے۔ صحیحین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا چہرہ خثعمیہ عورت سے پھیر دیا تھا جب وہ سوال کر رہی تھی۔ حضرت فضل اس کو دیکھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غیرت ایمان سے ہے اور مذاء نفاق سے ہے'' (2)۔ مذاء یہ ہے کہ کوئی مردوں اور عورتوں کو جمع کرے پھر انہیں چھوڑے وہ ایک دوسرے سے دل لگی کرتے رہیں۔ یہ المذی سے مشتق ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب مردوں کو عورتوں کی طرف بھیج دینا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ہے: مذیت الفرس گھوڑے کو چرنے کے لیے چھوڑ دینا۔ ہر نر کو مذی آتی ہے اور ہر عورت کو قذی آتی ہے۔ جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے اپنی زینت کو ظاہر کرنا حلال نہیں مگر جس کے لیے وہ حلال ہے یا جس پر وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے وہ امن میں ہوتا ہے کہ اس کی طبع ان کی طرف متحرک ہو کیونکہ اسے ان سے مایوسی ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ترمذی نے نبہان مولیٰ ام سلمہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اور حضرت میمونہ کو فرمایا جب ان کے پاس حضرت ابن ام مکتوم تھا ''اس سے پردہ کرو'' انہوں نے عرض کی: حضور! یہ تو نابینا ہے۔ فرمایا: ''کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم اسے نہیں دیکھتی ہو'' (3)۔ اگر یہ کہا جائے کہ اہل نقل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ سے روایت کرنے والا راوی آپ کا غلام نبہان ہے اور اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی اور اس کی صحت کی تقدیر پر یہ ازواج مطہرات پر ان کی حرمت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سختی اور تغلیظ ہوگی جس طرح حجاب کے مسئلہ میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، قدر علی بنی آدم حظہ من الزنا وغیرہ، جلد 2، صفحہ 336

2۔ مجمع الزوائد، کتاب النکاح، باب الغیرۃ، جلد 4، صفحہ 600، حدیث 7725

3۔ جامع ترمذی، کتاب الادب، ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال، جلد 2، صفحہ 102۔

ایضاً سنن ابی داؤد، باب فی قولہ عزوجل وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن، حدیث 3085، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ان پر سختی فرمائی تھی جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ ائمہ نے اشارہ کیا ہے اور صحیح ثابت حدیث کا معنی باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا پھر فرمایا: ''وہ ایسی عورت ہے جس کے پاس میرے صحابہ آتے ہیں تو ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزار کیونکہ وہ نابینا شخص ہے تو اپنے کپڑے اتارے گی تو وہ تجھے نہیں دیکھے گا'' (1)۔ ہم کہیں گے: بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو مرد کے لیے عورت کا دیکھنا جائز نہیں ہے جیسے سر اور کان، لیکن شرمگاہ دیکھنی جائز نہیں اس بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ کے عموم کے لیے مخصص ہوگی اور من تبعیض کے لیے ہوگا جیسے اس سے پہلی آیت میں تھا۔ ابن عربی نے کہا: نبی پاک ﷺ نے ام شریک کے گھر سے حضرت ابن ام مکتوم کے گھر کی طرف منتقل ہونے کو کہا کیونکہ ام شریک کے گھر کی نسبت اس میں اس کی بقا کے لیے بہتر تھا، کیونکہ ام شریک کے پاس کثرت سے لوگ آتے جاتے تھے تو اسے بھی دیکھنے والے زیادہ ہوتے اور حضرت ابن ام مکتوم کے گھر میں اسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ حضرت ابن مکتوم سے اپنی آنکھ کو روکنا اس کے لیے زیادہ بہتر تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دیکھنے والوں کے لیے اپنی زیب وزینت ظاہر نہ کریں مگر دیکھنے والوں سے جن کی آیت میں استثناء فرمائی۔ علماء کا اس مقدار میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ظاہر زینت سے مراد کپڑے ہیں (2)۔ ابن جبیر نے چہرے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے بھی اور عطا اور اوزاعی نے چہرہ، ہتھیلیاں اور لباس فرمایا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور حضرت مسور بن مخرمہ نے کہا: ظاہر زینت سے مراد سرمہ، کنگن اور نصف ذراع تک خضاب (مہندی) بالیاں اور انگوٹھی ہے (4)۔ یہ چیزیں ظاہر کرنا مباح ہے ہر اس شخص کے سامنے جو اس کے پاس آئے۔ طبری نے قتادہ سے نصف ذراع کے معنی میں نبی کریم ﷺ سے حدیث روایت کی ہے (5) اور دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے فرمایا: ''جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے لیے ظاہر کرنا حلال نہیں مگر اپنا چہرہ اور یہاں تک اپنے ہاتھ (نصف ذراع سے پکڑ کر اشارہ کیا)'' ابن عطیہ نے کہا: میرے لیے آیت کے الفاظ کا حکم ظاہر ہوا ہے کہ عورت کو زینت ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے اپنے آپ سے ہر زینت چھپانے کی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے (6) جس کو ظاہر کرنے کی استثناء واقع ہوئی ہے وہ ضرورت کے حکم کے ساتھ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے یا اصلاح شان وغیرہ کے لیے ظاہر کرنا ہوتا ہے پس ماظھر اس بنا پر وہ ہوگا جس کی عورتوں میں ضرورت ہے اور وہ معاف ہے۔

میں نے کہا: یہ عمدہ قول ہے مگر عادۃً اور عبادۃً جب چہرہ اور ہاتھ ظاہر کیے جاتے ہیں اور یہ نماز اور حج میں ظاہر ہوتے ہیں تو بہتر ہے کہ استثناء ان دونوں کی طرف راجع ہو اس پر دلیل ابوداؤد کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، المطلقة البائن لا نفقة لها، جلد 1، صفحہ 483
2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 377
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 178
6۔ ایضاً

ابی بکر نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ اس پر باریک کپڑے تھے نبی پاک ﷺ نے اس سے چہرہ مبارک پھیر لیا اور اسے فرمایا: ''اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کا دیکھا جانا درست نہیں مگر یہ حصہ'' (1) آپ ﷺ نے اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا(2)۔ یہ احتیاط کی جانب سے اقویٰ ہے اور اس میں لوگوں کے فساد کی بھی رعایت ہے پس عورت اپنی زینت ظاہر نہ کرے مگر چہرے اور ہاتھوں میں سے جو ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے والا ہے اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ ابن خویز منداد جو ہمارے علماء میں سے ہے انہوں نے کہا: جب عورت خوبصورت ہو اور اس کے چہرے اور ہتھیلیوں سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو وہ ان اعضاء کو بھی ڈھانپ لے۔ اگر وہ بوڑھی ہو یا بدصورت ہو تو اس کے لیے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر4۔ زینت کی دو قسمیں ہیں: ایک خلقی ہے اور دوسری کسبی ہے۔ خلقی زینت اس کا خوبصورت چہرہ ہے وہ زینت کی اصل ہے، خلقت کا جمال ہے اور حیوانیت کا معنی ہے کیونکہ اس میں منافع اور علوم کے راستے ہیں اور کسبی زینت سے مراد بناؤ سنگھار ہے جو عورت اپنی تخلیق کو خوبصورت بنانے کے لیے کرتی ہے جیسے لباس، زیورات، سرمہ اور خضاب اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ (الاعراف: 31) شاعر نے کہا:

يأْخُذْنَ زينتهنّ أحسنَ ماترىٰ　　وإذا عَطِلن فهنّ خير عواطل

مسئلہ نمبر5۔ زینت کا ظاہر اور باطن ہے؛ جو ظاہر ہے وہ محارم اور اجانب ہر ایک کے لیے ظاہر کرنا مباح ہے۔ ہم نے علماء کے اقوال اس پر ذکر کر دیے ہیں اور جو باطنی زینت ہے اس کا ظاہر کرنا حلال نہیں مگر ان کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نام لیا ہے یا جو ان کے قائم مقام ہیں۔ کنگن کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ زینت ظاہرہ سے ہے کیونکہ یہ ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ باطنی زینت سے ہے کیونکہ یہ ہتھیلیوں سے خارج ہے یہ بازوؤں پر ہوتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: خضاب زینت باطنی سے ہے جب یہ قدموں میں ہو۔

مسئلہ نمبر6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ جمہور نے لام کے سکون کے ساتھ پڑھا(3) ہے جو لام امر کے لیے ہے۔ ابو عمرو نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اصل پر کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ لام امر کی اصل کسرہ ہے اور اس کے ثقل کی وجہ سے کسرہ کو حذف کیا گیا ہے اور اس کا سکون عضد اور فخذٌ کے سکون کی طرح ہے۔ اور یضربن امر کی وجہ سے محل جزم میں ہے مگر یہ سیبویہ کے نزدیک ماضی کی اتباع کی وجہ سے ایک حالت پر مبنی کیا گیا ہے۔ اس آیت کا سبب یہ ہے کہ عورتیں اس زمانہ میں جب اپنے سر چادروں کے ساتھ ڈھانپتی تھیں تو ان کے پلو پیٹھ پر لٹکا دیتی تھیں۔ نقاش نے کہا: جیسے نبطی لوگ کرتے ہیں پس سینہ، گردن اور کان ڈھانپے ہوئے نہیں ہوتے تھے(4) تو اللہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، فیما تبدی المرأۃ من زینتھا، جلد 2، صفحہ 211

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحمام باب فیما تبدی المرأۃ من زینتھا، حدیث 3580، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 178　　4۔ ایضاً

تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اپنی چادریں اپنے سینوں پر ڈالیں۔ اس کی ہیئت یہ ہے کہ عورت اپنی چادر اپنے گریبان پر ڈالے تا کہ اس کا سینہ ڈھک جائے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پہلی مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے جب وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ کا ارشاد نازل ہوا تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ دیں اور ان کے ساتھ اپنے سینوں کو ڈھانپا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آئی جوان کی بھتیجی تھی اور ان کے بھائی عبدالرحمن کی بیٹی تھی اس نے ایسا باریک دوپٹہ کیا ہوا تھا کہ اس سے اس کی گردن وغیرہ نظر آ رہی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس دوپٹہ کو پھاڑ دیا اور فرمایا: ایسا موٹا کپڑا ہونا چاہیے جو چھپا دے۔

مسئلہ نمبر 7۔ الخمر، خمار کی جمع ہے وہ چادر جس کے ساتھ عورت اپنا سر ڈھانپتی ہے اسی سے ہے: أخمرت المرأة وتخمرت وهي حسنة الخمرة (عورت نے دوپٹہ اوڑھا) الجیوب جیب کی جمع ہے اس سے مراد قمیص کا گلہ ہے یہ جوب سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے۔ مشہور قراءت جیوبھن جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ بعض کوفیوں نے یاء کی وجہ سے جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے (1) جیسا کہ ان کی قراءت بیوت اور شیوخ میں ہے۔ قدیم نحوی اس قراءت کو جائز قرار نہیں دیتے وہ کہتے ہیں: بیت اور بیوت جیسے فلس اور فلوس ہے۔ زجاج نے کہا: ضمہ کو کسرہ سے بدلنا جائز ہے اور جو حمزہ سے ضمہ اور کسرہ کو جمع کرنا مروی ہے وہ محال ہے کیونکہ اس کا تلفظ نہیں کر سکتا مگر نا جائز کی طرف اشارہ کرنے پر۔ مقاتل نے کہا: عَلٰى جُيُوبِهِنَّ سے مراد على صدورهن اپنے سینوں پر یعنی اپنے گلوں کے اوپر۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ گریبان کپڑے میں سینے کی جگہ ہوتا ہے اسی طرح سلف صالحین کے کپڑوں میں گریبان سینوں پر ہوتے تھے جیسا کہ ہمارے ہاں اندلس اور مصری دیار میں عورتوں، مردوں اور بچوں وغیرہ کے لیے عورتیں گریبان بناتی ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے (باب جيب القميص عند الصدر وغيره) قمیص کا گریبان سینے کے پاس ہونا اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو شخصوں کی ہے جن کے اوپر لوہے کے دو جبے ہیں وہ اپنا ہاتھ اپنے سینوں کی طرف بڑھاتے ہیں'' (2)۔ یہ حدیث مکمل پہلے گزر چکی ہے اس میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گریبان کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا اگر تو (بخیل) کو دیکھے کہ وہ اس جبے کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ نہیں کھلتا۔ یہ بیان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیب (گریبان) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر تھی اگر وہ گریبان آپ کے کندھے پر ہوتا تو آپ کے ہاتھ سینے کی طرف نہ بڑھتے یہ عمدہ استدلال ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ۔ بعل سے مراد کلام عرب میں شوہر اور آقا ہے اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیث جبریل میں ارشاد ہے: إذا ولدت الأمة بعلها (3) یعنی جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ کثرت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 178

2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 2، صفحہ 862

3۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 9501

فتوحات کی وجہ سے یہ کثرت غلامی کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا لونڈیوں کی طرف سے اولاد آئے گی اور ہر ام ولد اپنے بیٹے کی وجہ سے آزاد ہو جائے گی۔ تو گویا وہ اس کا وہ آقا ہو گا جس نے آزادی کے ذریعے اس پر احسان کیا ہے کیونکہ لونڈی کو اس کے سبب آزادی حاصل ہو گی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ارشاد ہے: أعتقها ولدها (1) یعنی اس کے بیٹے نے اس کو آزاد کیا ہے۔ نیز آپ نے آزادی کو اس بچے کی طرف منسوب کیا۔ اور یہ اس حدیث کی عمدہ ترین تاویلات ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

خاوند اور آقا بیوی اور لونڈی کی زینت دیکھ سکتا ہے اور اکثر زینت کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس کا پورا بدن اس کے لیے لذت حاصل کرنے اور دیکھنے کے لیے حلال ہے اسی معنی کی بنا پر بعولۃ کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ ان کی ان کے اکثر حصہ پر اطلاع واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ (المومنون)

مسئلہ نمبر 10۔ مرد کا عورت کی فرج کی طرف دیکھنے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے اس میں دو قول ہیں۔ جائز ہے کیونکہ جب اس کے لیے اس سے تلذذ جائز ہے تو دیکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا: جائز نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی حالت کا ذکر کیا: میں نے آپ کی شرمگاہ نہیں دیکھی اور آپ نے میری شرمگاہ نہیں دیکھی۔ پہلا قول اصح ہے اور یہ حدیث ادب پر محمول ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے اصبغ جو ہمارے علماء میں سے ہے انہوں نے کہا: مرد کے لیے اپنی زبان سے اسے چاٹنا بھی جائز ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: خاوند اور آقا کے لیے عورت کے تمام بدن اور فرج خارج کو دیکھنا جائز ہے۔ فرج کے باطن کو دیکھنا جائز نہیں اسی طرح عورت کے لیے اپنے خاوند کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے اور لونڈی کے لیے اپنے آقا کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرج کی طرف دیکھنا اندھے پن کو پیدا کرتا ہے''۔ بعض علماء نے کہا: جو شرمگاہ کو دیکھتا ہے ان کے درمیان اندھا بچہ پیدا ہوتا ہے؛ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج کا ذکر کیا تو پھر ان کا ذکر کیا پھر محارم کا ذکر کیا اور زینت کے ظاہر کرنے میں ان کے درمیان برابری رکھی لیکن ان کے مراتب بشر کے نفوس کے مطابق مختلف ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ باپ اور بھائی کا عورت پر کشف، اس کے خاوند کے بیٹے کے کشف سے زیادہ احتیاط کا متقاضی ہے اور جو ان کے لیے ظاہر ہونا ہے اس کے مراتب بھی مختلف ہیں باپ کے لیے جو حصہ ظاہر کرنا جائز ہوتا ہے وہ خاوند کے بیٹے کے لیے ظاہر کرنا جائز نہیں ہوتا، قاضی اسماعیل نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ امہات المومنین کو نہیں دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں دیکھنا حلال تھا۔ اسماعیل نے کہا: میرا خیال ہے کہ حضرت حسن و حسین کا نظریہ یہ تھا (2) کہ خاوندوں نے بیٹوں کا

1۔ ابن ماجہ، باب امہات الاولاد، 2506، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 179

ذکر اس آیت میں نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بارے میں ہے وہ یہ آیت ہے، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآىِٕهِنَّ (الاحزاب: 55) اور سورۃ النور میں فرمایا: وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت مراد لی ہے اور حسن وحسین نے دوسری آیت مراد لی ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اس سے مراد خاوندوں کی مذکر اولاد ہے اور اس میں اولاد کی اولاد بھی داخل ہے اگرچہ بچے بھی ہوں خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں جیسے بیٹوں کے بیٹے اور بیٹیوں کے بیٹے، اسی طرح خاوندوں اور دادوں کے آباء اگرچہ بہت اوپر کے ہوں مذکر کی جہت سے آباء کے آباء اور ماؤں کے آباء۔ اسی طرح ان کے بیٹے اگرچہ بہت نیچے کے ہوں اسی طرح بیٹیوں کے بیٹے اگرچہ وہ بہت نیچے کی ہوں اس میں بیٹوں کی اولاد اور بیٹیوں کی اولاد برابر ہیں۔ اسی طرح ان کی بہنیں خواہ آباء اور امہات کی طرف سے ہوں یا ایک صنف کی طرف سے ہوں، اسی طرح بھائیوں کے بیٹے اور بہنوں کے بیٹے اگرچہ بہت نیچے کے ہوں خواہ مذکر سے ہوں یا مونث سے ہوں جیسے بہنوں کے بیٹوں کے بیٹے اور بہنوں کی بیٹیوں کے بیٹے یہ وہ تمام رشتے ہیں جن سے نکاح حرام ہے کیونکہ یہ ولادت میں سے ہیں اور یہ محارم ہیں۔ یہ مسئلہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور جمہور کا خیال ہے کہ چچا، ماموں دیکھنے کے جواز میں دوسرے محارم کی طرح ہیں ان کے لیے وہ حصہ دیکھنا جائز ہے جو دوسرے محارم کے لیے دیکھنا جائز ہے۔ آیت میں رضاع (دودھ والے رشتوں کا) ذکر نہیں یہ بھی نسب کی طرح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ثعلبی اور عکرمہ کے نزدیک چچا اور ماموں محارم میں سے نہیں ہیں۔ عکرمہ نے کہا: ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ اپنے بیٹوں کے تابع ہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ یعنی مسلمان عورتیں اس میں مومن لونڈیاں بھی داخل ہیں اور اس سے ذمیوں وغیرہ میں سے مشرکوں کی عورتیں خارج ہو جاتی ہیں۔ کسی مومنہ عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ مشرکہ عورت کے سامنے کھولے مگر یہ کہ وہ اس کی کنیز (لونڈی) ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ابن جریج، عبادہ بن نسی اور ہشام القاری ناپسند کرتے تھے کہ نصرانی عورت، مسلمان عورت کو بوسہ دے یا اس کی شرمگاہ کو دیکھے وہ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ سے یہ نکالتے تھے۔ عبادہ بن نسی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن جراح کو لکھا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ذمیوں کی عورتیں حمامات میں مسلمان عورتوں کے ساتھ داخل ہوتی ہیں انہیں اس سے منع کرو اور ان کے درمیان پردہ کرو (1)، کیونکہ ذمیہ عورت مسلمہ عورت کا ظاہر ہونے والا حصہ نہیں دیکھ سکتی۔ فرمایا: اس وقت حضرت ابو عبیدہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: عورت بغیر عذر کے حمام میں داخل ہوتی ہے وہ صرف اپنا چہرہ سفید کرنا چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دن اس کا چہرہ سیاہ کردے گا جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان عورت کے لیے حلال نہیں کہ اسے یہودیہ یا نصرانیہ دیکھے تاکہ وہ اس کا وصف اپنے خاوند سے بیان نہ کرے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اگر کافرہ مسلمان کی لونڈی ہو تو اس کا اپنی مالکن کو دیکھنا جائز ہے اور اس کے علاوہ نہیں کیونکہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان ولایت ختم ہو چکی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 179

ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 14۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ آیت کا ظاہر غلاموں اور مسلمانوں اور کتابیہ لونڈیوں کو شامل ہے یہ اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے؛ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مذہب کا ظاہر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غلاموں کا اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں (1)۔ اشہب نے کہا: امام مالک سے پوچھا گیا: کیا عورت اپنا دوپٹہ خصی آدمی کے سامنے اتار دے؟ انہوں نے کہا: ہاں خواہ وہ اس کا غلام ہو یا غیر کا غلام ہو۔ رہا آزاد خصی تو اس کے سامنے نہ اتارے اگر وہ بڑا آدمی ہو اور کم عقل ہو نہ اس کی کوئی ہیئت ہو نہ منظر تو وہ اس عورت کے بال دیکھ سکتا ہے۔ اشہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اس میں گنجائش نہیں کہ بیٹے یا بیوی کی لونڈی، باپ یا خاوند کے پاس ہاتھ میں داخل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ کم عقل گھٹیا غلام اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھ سکتا ہے اور اس میں خاوند کے غلام کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ سعید بن مسیب نے فرمایا: یہ آیت، اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اس سے مراد لونڈیاں ہیں (2) اس سے مراد غلام نہیں ہیں اور شعبی ناپسند کرتے تھے کہ مموک اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھے؛ یہ مجاہد اور عطا کا قول ہے۔ ابوداؤد نے اس سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس ایک غلام لے آئے اور انہیں وہ ہبہ کر دیا (3) اور فرمایا: فاطمہ پر ایک کپڑا تھا جب اس کے ساتھ اپنے سر کو ڈھانپتی تھی تو پاؤں تک نہیں پہنچتا تھا اور جب پاؤں ڈھانپتی تھیں تو سر تک نہیں پہنچتا تھا جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ پریشانی دیکھی تو فرمایا: ''تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے یہ تیرا باپ اور تیرا غلام ہے''۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ یعنی جن کو حاجت نہیں۔ الاربة کا معنی ہے حاجت۔ کہا جاتا ہے: أربت كذا ارب آرباء والارب ولا رْبة والمارب اس کا معنیٰ حاجت ہے جمع مآرب ہے یعنی حوائج اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۞ (طٰہٰ) میرے لیے اس میں دوسری بھی حاجتیں ہیں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ طرفہ نے کہا:

إذا المرء قال الجهل والحوب والخنا　　تقدم يوماثم ضاعت مآربه

لوگوں کا اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ کے قول میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد احمق ہیں جن کو عورتوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض نے کہا: اس سے مراد ابلہ ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو قوم کے پیچھے جاتا ہے اور اس کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، ان کے ساتھ نرمی کرتا ہے وہ ایسا کمزور ہوتا ہے جو عورتوں کی پروا نہیں کرتا اور ان کا شوق نہیں رکھتا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد نامرد ہے۔ بعض نے کہا: خصی ہے۔ بعض نے کہا: مخنث ہے۔ بعض نے کہا: انتہائی بوڑھا شخص ہے۔ بعض نے کہا: وہ بچہ ہے جو بالغ نہیں ہوتا۔ یہ اختلاف ایسا ہے کہ تمام معانی قریب ہیں اور جو نہ سمجھ رکھتا ہو اور ایسی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 179　　2۔ تفسیر کشاف، جلد 3، صفحہ 232

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، فی العبد ینتظر الی شعر مولاتہ، جلد 2، صفحہ 211

ہمت نہ رکھتا ہو جس کے ساتھ وہ عورتوں کے معاملات کی طرف متوجہ ہو یہ سب کو جامع ہے اس صف پر ہیت خنثہ تھا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جب اس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے محاسن بیان کرتے ہوئے سنا وہ عورت غیلان کی بیٹی بادیہ تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا (1)۔ امام مسلم، ابوداؤد، امام مالک وغیرہم نے اس کی حدیث نقل کی ہے۔ ہشام بن عروہ نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ابو عمر نے کہا: عبدالملک بن حبیب نے حبیب کاتب امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام مالک سے پوچھا: سفیان نے ابنۃ غیلان کی حدیث میں زیادتی کی ہے کہ وہ مخنث جس کو ہیت کہا جاتا ہے اور آپ کی کتاب میں ہیت نہیں ہے؟ امام مالک نے کہا: سچ کہا انہوں نے اسی طرح کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے الحمی کی جگہ جلاوطن کر دیا یہ مسجد سے بائیں جانب ذی الحلیفہ کی جگہ ہے۔ حبیب نے کہا میں نے امام مالک سے کہا سفیان نے اپنی حدیث میں کہا ہے: جب وہ بیٹھتی ہے تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی ہے جب بولتی ہے تو گاتی ہے۔ امام مالک نے کہا: صحیح کہا وہ اسی طرح تھی۔ ابو عمر نے کہا: حبیب کاتب امام مالک نے کہا جو کچھ سفیان سے ذکر کیا ہے انہوں نے حدیث میں فرمایا یعنی ہشام بن عروہ کی حدیث میں فرمایا: اس خنثیٰ کو ہیت کہا جاتا ہے پس غیر معروف ہے کسی ایک راوی کے ہاں جو ہشام سے روایت کرتے ہیں نہ کہ ابن عیینہ اور نہ کسی اور سے نسق حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ مخنث کو ہیت کہا جاتا ہے یہ انہوں نے حدیث کو مکمل کرنے کے بعد ابن جریج سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ان کا قول سفیان سے مروی ہے کہ وہ حدیث میں کہتے تھے جب وہ بیٹھتی تھی تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی تھی اور جب بولتی تھی تو گاتی تھی۔ یہ وہ ہے جو نہ سفیان نے کہا ہے اور نہ کسی اور نے ہشام بن عروہ کی حدیث میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا مگر واقدی کی روایت سے۔ تعجب ہے کہ وہ سفیان سے حکایت کرتا ہے اور وہ امام مالک سے حکایت کرتا ہے کہ وہ اسی طرح ہے تو یہ روایت امام مالک سے ہوگئی۔ اور امام مالک سے حبیب کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا اور نہ سفیان سے اس کے علاوہ کسی نے روایت کیا ہے؛ واللہ اعلم۔ حبیب امام مالک کا کاتب ہے متروک الحدیث ہے اور تمام کے نزدیک ضعیف ہے اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی اور جو وہ بیان کرے اس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا۔ واقدی اور کلبی نے ذکر کیا ہے کہ ہیت المخنث نے عبداللہ بن امیہ مخزومی کو کہا وہ حضرت ام سلمہ کے باپ کی طرف سے بھائی تھا اور اس کی والدہ عاتکہ تھی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھی اس مخنث نے حضرت عبداللہ کو کہا جبکہ وہ اپنی بہن ام سلمہ کے گھر میں تھے جبکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سن رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں طائف کی فتح دے بادیہ بنت غیلان بن سلمہ ثقفی کو لازم پکڑ وہ اتنی موٹی ہے کہ چار سلوٹوں کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ سلوٹوں کے ساتھ واپس جاتی ہے نیز اس کے ہونٹ گلابی ہیں اگر وہ بیٹھتی ہے تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی ہے اگر وہ بات کرتی ہے تو گانا گاتی ہے اس کی ٹانگوں کے درمیان الٹے برتن کی طرح ہے یہ ایسے ہے جیسے قیس بن خطیم نے کہا:

تَغْتَرِقُ الطَّرْفَ وهی لَاهِیَةٌ كأنما شَفَّ وَجْهَهَا نُزُفُ

بين شُكُولِ النساء خِلْقَتُهَا قَصْدٌ فلا جَبْلَةٌ ولا قَضَفُ

1۔ ابوداؤد، کتاب الحمام، باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ، حدیث 3583

تنام عن كبرشانها فاذا قامت رويدا تكاد تنقصف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مخنث کو فرمایا: ''اے اللہ کے دشمن! تو نے اس کو گہری نظر سے دیکھا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حمی کی طرف منتقل کر دیا فرمایا جب طائف فتح ہوا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے بادیہ بنت غیلان سے نکاح کیا تھا اس سے بریہہ پیدا ہوئی تھی۔ کلبی کے قول میں ہیت ہمیشہ وہاں ہی رہا حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اس کی واپس کی ان سے بات کی گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے واپس کرنے سے انکار کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کے پاس اس کے متعلق بات کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انکار کر دیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں بات کی گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ بوڑھا اور کمزور اور محتاج ہو گیا تو حضرت عثمان نے اسے ہر جمعہ آنے کی اور سوال کرنے کی اجازت دی۔ وہ ایسا کرتا تھا پھر واپس اپنی جگہ لوٹ جاتا تھا فرمایا ہیت، عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کا غلام تھا وہ خوبصورت تھا اسی وجہ سے اس نے خنثیٰ بننا قبول کیا۔ ابو عمر نے کہا: کہا جاتا ہے بادیۃ یاء کے ساتھ اور بادنقلون کے ساتھ۔ درست یاء کے ساتھ ہے؛ یہ اکثر کا قول ہے۔ اسی طرح زہری نے یاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ تابعین کی صفت غیر کے ساتھ بیان کی گئی ہے کیونکہ تابعین کی ذوات مقصود نہیں ہیں پس یہ لفظ نکرہ کی طرح ہو گیا۔ اور غیر کا لفظ نکرہ محضہ نہیں ہے پس اس کا معرفہ کی صفت بننا جائز ہے اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے یہ بدل ہے اس میں اسی طرح کا قول ہے جیسا کہ: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: 6) میں ہے۔ عاصم، ابن عامر نے غیر کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے پس یہ استثناء ہوگا؛ یعنی وہ اپنی زینت ظاہر کریں تابعین کے لیے مگر جو شہوت والے ہیں ان کے سامنے نہیں، یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو یعنی جو ان کے پیچھے آتے ہیں جبکہ وہ ان سے عاجز ہیں؛ یہ ابو حاتم کا قول ہے اور ذوالحال التابعین میں جو ذکر میں سے ہے وہ ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوِ الطِّفْلِ اسم جنس بمعنی جمع ہے اس پر دلیل اس کی نعت الذین ہے حضرت حفصہ کے مصحف میں اوالاطفال جمع ہے۔ کہا جاتا ہے: طفل وہ ہوتا ہے جو قریب البلوغ نہ ہو۔

يَظْهَرُوْا اس کا معنی ہے وہ وطی پر مطلع نہ ہوں یعنی اپنے چھوٹا ہونے کی وجہ سے جماع کے لیے ان کی شرمگاہوں سے آگاہ نہ ہوں۔ بعض نے کہا: وہ عورتوں تک پہنچنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ کہا جاتا ہے: ظهرت على كذا یعنی میں نے اس کو جان لیا۔ وظهرت على كذا میں اس پر غالب آ گیا۔ جمہور نے عورات کو واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ واؤ پر حرکت ثقیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واؤ کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے جیسے جفنة وجفنات۔ فراء نے حکایت کیا ہے کہ یہ واؤ کے فتحہ کے ساتھ قیس کی لغت ہے۔ نحاس نے کہا: یہی قیاس ہے کیونکہ یہ نعت نہیں ہے جیسے تو کہتا ہے: جفنة وجفنات مگر عورات میں اور اس جیسے الفاظ میں سکون بہتر ہے کیونکہ واؤ جب متحرک ہوتی ہے اور اس کا ماقبل متحرک ہوتا ہے تو وہ الف سے بدل جاتی ہے اگر یہ کہا جائے تو معنی ہی ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 18۔ علماء کا اختلاف ہے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا جسم کے پردہ کے وجوب کے بارے میں دو قول

ہیں۔(1) لازم نہیں ہے کیونکہ اس کا مکلف نہیں بنایا گیا اور یہی قول صحیح ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لازم ہے کیونکہ کبھی اس پر شہوت آتی ہے اور کبھی اسے شہوت آتی ہے اگر قریب البلوغ ہو تو پردہ کے وجوب میں بالغ کے حکم میں ہے۔ اس کی مثل وہ بوڑھا ہے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہو۔ بچے کے بارے میں بھی دو قول ہیں صحیح حرمت کی بقا ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ شرمگاہ مرد اور عورت کی پردہ کی جگہیں ہیں عورت کا پورا جسم پوشید رکھنا ضروری ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے ان کے متعلق بھی اختلاف ہے اکثر علماء کہتے ہیں کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا ستر ہے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ یہ سورۂ اعراف میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اصحاب الرائے نے کہا: عورت اپنے غلام کے ساتھ ہو تو ناف سے لے کر گھٹنے تک اس کا ستر ہے گویا انہوں نے اسے مرد گمان کیا ہے پھر لذت کی خاوندوں اور غلاموں کے لیے اجازت دی ہے پھر زینت کی بارہ شخصوں سے استثناء فرمائی ہے ان میں سے غلام بھی ہے پس ہمیں اس میں کوئی تبدیلی کی گنجائش نہیں یہ نظر فاسد ہے اور اجتہاد درست نہیں ہے۔ بعض علماء نے اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کی تاویل لونڈیوں سے کی ہے، غلاموں سے نہیں۔ ان میں سعید بن مسیب بھی ہیں وہ اسے پہلے غلاموں پر محمول کرتے ہیں پھر عورتوں سے لاحق کرتے ہیں۔ یہ بہت بعید ہے۔ ابن عربی نے کہا: بعض علماء نے فرمایا اس کی تقدیر اس طرح ہے او ماملکت ایمانھن من غیر اولی الاربۃ او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال؛ یہ مہدوی نے حکایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ یعنی جب عورت چلے تو اپنا پاؤں زمین پر نہ مارے تا کہ اپنی پازیب کی آواز سنائے۔ زینت کی آواز سنانا، زینت کے ظاہر کرنے کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ مقصود پردہ کرنا ہے۔ طبری نے معتمر سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے(1) فرمایا: حضری کا خیال ہے کہ ایک عورت نے چاندی کی دو پازیبیں بنائیں اور موتی خریدے پھر انہیں اپنی پنڈلی پر باندھا وہ لوگوں کے سامنے چلی تو اس نے زمین پر پاؤں مارا پازیب اس موتی پر لگی تو آواز پیدا ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس زینت کا سننا شہوت کو زینت کے ظاہر کرنے سے زیادہ ابھارتا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 22۔ عورتوں میں سے جس نے اپنے زیورات سے خوشی کی وجہ سے ایسا کیا تو وہ مکروہ ہے اور جس نے تبرج اور مردوں کے سامنے آنے کے لیے ایسا کیا تو وہ حرام مذموم ہے۔ اسی طرح مردوں میں سے جس نے اپنے جوتے کو مارا اگر تو اس نے تکبر کی بنا پر ایسا کیا تو وہ حرام ہے کیونکہ تکبر اور عجب گناہ کبیرہ ہے اگر اس نے تبرجاً ایسا کیا تو جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 23۔ مکی نے کہا: کتاب اللہ میں اس سے زیادہ ضمائر والی اور کوئی آیت نہیں اس میں مومنات کے لیے پچیس ضمائر جمع ہے کچھ مجرور ہیں اور کچھ مرفوع ہیں(3)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ اس میں دو مسئلے ہیں:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 180 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتُوبُوٓا یہ امر کا صیغہ ہے اس میں امت کا اختلاف نہیں کہ توبہ کرنا واجب ہے اور یہ فرض متعین ہے اس پر کلام سورۃ النساء وغیرہا میں گزر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں سہو اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے کسی حال میں توبہ کو ترک نہ کرو۔

(۲) جمہور نے ایۃ کو ھاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ھاء نفس کلمہ سے ہے پس اس میں منادیٰ کا اعراب ہوگا۔ ابوعلی نے اس کو انتہائی ضعیف قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا: اسم کی دوسری یا یہ ای سے ہے۔ پس مناسب ہے کہ اسم کا آخر مضموم ہو اگر ھاء کا ضمہ یہاں جائز ہونا کلمہ کے ساتھ اتصال کی وجہ سے ہو تو اللھم میں میم پر ضمہ جائز ہو جاتا کلمہ سے اس کے اتصال کی وجہ سے صحیح یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے ایک قراءت ثابت ہے تو لغت میں صحت کا اعتقاد ہوتا ہے کیونکہ قرآن حجت ہے۔ فراء نے کہا:

یایُّہ القلبُ اللّجوجُ النفس أفق عن البیض الحسان اللعس

اللعس ہونٹوں کے رنگ کو کہتے ہیں جب وہ تھوڑے سیاہی مائل ہو جائیں یا اچھے لگتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: شفة لعساء، فتیة ونسوة لعس۔ بعض ایۃ وقف کرتے ہیں۔ بعض الف کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔ ایسا کیونکہ وصل میں اس کے حذف کی علت اس کا سکون اور لام کا سکون ہے جب وقف ہوگا تو عظمت ختم ہو جائے گی۔ پس الف لوٹے گا جیسے یاء لوٹتی ہے جب غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ (المائدہ: 1) کے قول سے مُحِلِّي پر وقف کیا گیا۔ یہ وہ اختلاف ہے جو ہم نے یایہ الساحر اور ایہ الثقلان میں ذکر کیا ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگ دست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ خطاب ستر اور اصلاح میں داخل ہے یعنی جن کا نکاح نہیں ہے ان کا نکاح کرو کیونکہ یہ پاک دامنی کا راستہ ہے یہاں خطاب اولیاء کو ہے۔ بعض نے کہا: خاوندوں کو ہے۔ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ اگر ازواج مراد ہوں تو وانکحوا بغیر ہمزہ کے ہوتا اور الف وصل کے لیے ہوتا۔ اس میں دلیل ہے کہ عورت کے لیے بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب ثیبہ یا باکرہ اپنا نکاح بغیر ولی کے کرے اور وہ اس کا کفو ہو تو جائز ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کے اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: مومن کے حالات کے مختلف ہونے کے ساتھ حکم مختلف ہوتا ہے گناہ کا اندیشہ ہو، صبر کرنا ممکن نہ ہو، صبر پر قوت ہو، گناہ کا اندیشہ نہ ہو، سب صورتوں میں حکم مختلف

ہے۔ جب دین یا دنیا یا دونوں میں ہلاکت کا خوف ہو تو نکاح ضروری ہے۔ اگر کسی چیز کا خوف نہ ہو، حالت مطلقہ ہو تو امام شافعی نے فرمایا: نکاح مباح ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: نکاح مستحب ہے(1)۔ امام شافعی نے اس سے تعلق جوڑا ہے کہ یہ لذت کا پورا کرنا ہے اور لذت کا پورا کرنا مباح ہے جیسے کھانا اور پینا ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا تعلق حدیث سے جوڑا ہے ''جس نے میری سنت سے انحراف کیا وہ میرے راستہ پر نہیں ہے''(2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الْاَیَامٰی مِنْكُمْ وہ مرد اور عورتیں جن کی بیویاں اور خاوند نہ ہوں انہیں ایامیٰ کہتے ہیں۔ اس کا واحد ایم ہے۔ ابو عمر نے کہا: ایامیٰ خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو؛ یہ ابو عمرو اور کسائی وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ عرب کہتے ہیں: تأیمت المرأۃ جب وہ بغیر شادی کے ٹھہری رہی۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث میں ہے ''میں اور وہ عورت جس کے رخسار سیاہ ہو گئے وہ اپنے چھوٹے بچوں پر (خاوند کے مرنے کے بعد) بغیر شادی کے ٹھہری رہی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو گئے یا اللہ تعالیٰ نے انہیں فضل سے غنی کر دیا تو اس طرح جنت میں ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں(3)۔ شاعر نے کہا:

فإن تنكحي أنكح وإن تتأيمي وإن كنتُ أفتى منكم أتأيَّمُ(4)

کہا جاتا ہے: أيِّم بيّن الايمة وقد امتْ هي، أمت انا، شاعر نے کہا:

لقد إمْتُ حتى لامَني كلُّ صاحب رجاءً بسلمى أن تئيم كما إمْتُ

ابو عبید نے کہا: رجل ایم و امرأۃ أیم، اکثر یہ عورتوں میں استعمال ہوتا ہے یہ مردوں میں مستعار کی طرح ہے۔ امیہ بن صلت نے کہا:

لِلّٰه دَرُّ بَنِي عَلِيٍّ أَيِّمٍ منهم وناكحُ

ایک قوم نے کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ الخ۔ کے حکم کی ناسخ ہے۔ ہم نے اس کو سورت کے آغاز میں بیان کر دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ سے مقصود آزاد عورتیں اور مرد ہیں پھر غلاموں کا حکم بیان فرمایا۔ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ حسن نے والصالحین من عبید کم پڑھا ہے۔ عبید جمع کا اسم ہے۔ فراء نے کہا: اماء کم پر نصب بھی جائز ہے انہوں نے اس کا عطف الصالحین پر کیا ہے، یعنی مذکر، مونث اور صلاح سے مراد ایمان ہے۔ بعض نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کی شادی میں رغبت ہونی چاہیے جب وہ نیک ہوں پس اس کی شادی کرنا جائز ہے لیکن اس میں ترغیب نہیں ہے اور نہ استحباب ہے جیسا کہ فرمایا: فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا پھر کتابت جائز ہے اگرچہ غلام میں خیر معلوم نہ بھی ہو لیکن خطاب ترغیب اور استحباب کے لیے وارد ہوا ہے اور کتابت مستحب ہے جس میں خیر ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ سردار کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو نکاح

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 100
2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 449
3۔ ابو داؤد، باب فی فضل من عال یتیما، 4482، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 97

پر مجبور کرے؛ یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہما کا قول ہے۔ اور جب نقصان اور ضرر ہو تو امام مالک نے فرمایا: جائز نہیں، اسی طرح کا قول امام شافعی سے بھی مروی ہے پھر فرمایا: آقا کے لیے جائز نہیں کہ غلام کو نکاح پر مجبور کرے۔ نخعی نے کہا: لوگ غلاموں کو نکاح پر مجبور کرتے تھے اور ان پر دروازے بند کر دیتے تھے۔ اصحاب الشافعی نے دلیل پکڑی اور کہا: غلام مکلف ہے اسے نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ مکلف بنانا دلیل ہے کہ غلام آدمیت کی جہت سے کامل ہے اور اس کے ساتھ مملوکیت متعلق ہے کہ اس میں مالک کا ملک رقبہ اور ملک منفعت کا حصہ ہوتا ہے بخلاف لونڈی کے اس میں سردار کے لیے مملوکیت کا حق اس کے بضعہ میں ہوتا ہے تاکہ وہ اس کو حاصل کرے۔ رہا غلام کا بضع تو اس میں مالک کا کوئی حصہ نہیں اسی وجہ سے مالکن اپنے غلام کے لیے مباح نہیں ہوتی یہ اہل خراسان اور اہل عراق کا اعتماد ہے ان کا نظریہ طلاق کی بنا پر بھی ہے کیونکہ غلام عقد ملک کی وجہ سے اس کا مالک ہوتا ہے۔ ہمارے علماء کا اس میں نکتہ عظیمہ یہ ہے کہ غلام کی مالکیت کو آقا کی مالکیت نے گھیر رکھا ہے اور اسی وجہ سے آقا کی اجازت کے بغیر بالاجماع غلام شادی نہیں کر سکتا ہے۔ نکاح اور اس کا باب مصالح میں سے ہے اور غلام کی مصلحت، سردار کے سپرد ہے وہ اسے دیکھتا ہے اور غلام کے لیے اسے قائم رکھتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ پھر کلام کا رخ آزادوں کی طرف کر دیا یعنی مرد اور عورت کے فقر کی وجہ سے نکاح کرنے سے مت روکو۔ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نکاح کرنے والوں سے غنا کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے اور گناہوں سے بچنے کے لیے نکاح کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نکاح میں غنا کو تلاش کرو اور پھر یہ آیت تلاوت کی (1)۔ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے اس سے تعجب ہوتا ہے جو نکاح میں غنا کو طلب نہیں کرتا (2) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین افراد ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے (3)۔ (۱) مجاہد جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ (۲) پاک دامنی کے ارادہ سے نکاح کرنے والا۔ (۳) مکاتب جو زر کتابت ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے'' (4)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم دیکھتے ہیں نکاح کرنے والا غنی نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے: یہ لازم نہیں کہ غنا میں دوام ہو بلکہ ایک لحہ کے لیے بھی غنی ہو جائے تو وعدہ سچا ہو جائے گا۔ بعض نے کہا: غنا سے مراد نفس کا غنا ہے۔ صحیح میں ہے ''غنا سامان کی کثرت سے نہیں بلکہ غنا نفس کی غنا ہے'' (5)۔ بعض نے فرمایا: یہ ایسا وعدہ نہیں جس میں خلف واقع نہ ہو بلکہ اس کا مطلب ہے مال آنے جانے والی چیز ہے۔ پس غنا کی امید رکھو۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 379 — 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 180

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب المکاتب، جلد 1، صفحہ 184

4۔ ترمذی، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی المجاهد والناکح والمکاتب، حدیث 1579

5۔ جامع ترمذی، کتاب الزهد، ما جاء ان الغنی غنی النفس، جلد 2، صفحہ 60

ہے اگر اللہ چاہے گا تو وہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرمادے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (الانعام: 41) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ (الرعد: 26) بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اگر وہ نکاح کی طرف محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ حلال نکاح کے ساتھ انہیں غنی کردے گا تاکہ وہ زنا سے بچ جائیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ یہ آیت فقیر کے نکاح کرنے پر دلیل ہے وہ یہ نہ کہے کہ میں شادی کیسے کروں میرے پاس تو مال ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا نکاح جس نے اپنا نفس آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا تھا ایسے شخص سے کردیا تھا جس کے پاس صرف ایک چادر تھی اور تنگ دستی کی وجہ سے عورت کو نکاح فسخ کرانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے پاس تنگ دستی پر داخل ہو چکی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ خوشحالی کے دور میں اس پر داخل ہو تو پھر وہ معسر نکلا یا اس کے بعد اسے تنگی لاحق ہوئی کیونکہ بھوک پر صبر نہیں ہے؛ یہ ہمارے علماء کا قول ہے۔ نقاش نے کہا: یہ آیت ان لوگوں پر حجت ہے جنہوں نے کہا: قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کردے (1) جب خاوند فقیر ہو نفقہ دینے پر قدرت نہ رکھتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يُغْنِهِمُ اللّٰهُ یہ ضعیف جھگڑا ہے۔ اس آیت میں نفقہ سے عاجز کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے یہ وعدہ ہے غنا کا اس کے لیے جو فقیر ہو کر شادی کرے۔ رہا وہ شخص جو خوشحالی کی حالت میں نکاح کرتا ہے اور پھر خرچ دینے سے عاجز ہو گیا تو ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ (النساء: 130) اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں کی ہر حال میں لوٹنے کی امید ہوتی ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

''اور چاہیے کہ پاک دامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کردے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور جو مکاتب بننا چاہیں تمہارے غلاموں سے تو مکاتب بنا لو انہیں اگر تم جانو ان میں سے کوئی بھلائی اور (زر مکاتبت ادا کرنے میں) مدد کرو ان کی اللہ تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تاکہ تم حاصل کرو (اس بدکاری سے) دنیوی زندگی کا کچھ سامان اور جو (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں (عصمت فروشی پر) تو بیشک اللہ تعالیٰ ان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 180

کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کی لغزشوں کو) بخشنے والا (اور ان پر) رحم فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے اُتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے نیز (اتاری ہے) نصیحت پرہیزگاروں کے لیے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ یہ اسے خطاب ہے جو اپنے نفس کا خود مالک ہے نہ کہ اسے جس کی زمام دوسرے کے ہاتھ میں ہو کیونکہ وہ اسے اپنی مرضی سے چلاتا ہے جیسے مجور علیہ ہوتا ہے؛ یہ ایک قول ہے۔ اور جیسے لونڈی اور غلام علماء کے دوسرے قول کے مطابق۔

مسئلہ نمبر 2۔ استعفف کا وزن استفعل ہے۔ اس کا معنی ہے اس نے پاکدامن ہونا طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہر اس شخص کو پاکدامن رہنے کا حکم دیا ہے جو نکاح نہیں کر سکتا اور کسی وجہ سے نکاح کو نہیں پاتا پھر جب نکاح کے موانع میں سے اغلب مال کا نہ ہونا ہے تو اپنے فضل سے غنی کرنے کا وعدہ فرمایا وہ اسے عطا فرمائے گا جس کے ساتھ وہ نکاح کرے گا یا وہ ایسی عورت پائے گا جو تھوڑے مہر پر راضی ہو جائے گی یا اس سے عورتوں کی خواہش زائل ہو جائے گی۔ نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والا۔ وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کا ارادہ کرتا ہے؛ اور مکاتب جو زرِ کتابت کی ادائیگی کا ارادہ کرتا ہے"۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا یعنی نکاح کی طاقت نہیں رکھتے مضاف کو حذف کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں نکاح سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ عورت سے نکاح کرتا ہے مثلاً مہر اور نفقہ وغیرہ جیسے لحاف اسم ہے اس کا جس کو لپیٹا جاتا ہے۔ لباس اسم ہے جو پہنا جاتا ہے۔ اس مفہوم پر آیت میں حذف نہ ہوگا؛ یہ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ انہوں نے اس کو اس قول پر محمول کیا ہے: حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ جسے پاک دامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ شخص ہے جو وہ مال نہیں رکھتا جس کے ساتھ نکاح کرے۔ اس قول میں جن کو پاکدامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تخصیص ہے اور یہ ضعیف قول ہے بلکہ پاکدامن رہنے کا حکم ہر اس شخص کی طرف متوجہ ہے جس پر نکاح کرنا مشکل ہو خواہ کوئی بھی وجہ ہو جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جس کے نفس کو نکاح کا شوق ہو اگر وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو پاکدامن رہنا چاہیے اگر ممکن ہو اگرچہ روزے کے ساتھ ہو کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کرتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: "اور جس کو نکاح کا شوق نہ ہو تو اس کے لیے عبادت الٰہی کے لیے خلوت اختیار کرنا بہتر ہے"۔ حدیث میں ہے "تم میں بہتر وہ خفیف آدمی ہے جس کے اہل اور اولاد نہ ہو"۔ سورہ النساء میں گزر چکا ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو لونڈیوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عفت اور نکاح کے درمیان کوئی درجہ نہیں

بنایا۔ یہ دلیل ہے کہ ان کے علاوہ صورت حرام ہے اس میں ملک یمین داخل نہیں کیونکہ وہ دوسری نص سے مباح ہے وہ یہ ارشاد ہے: مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اس میں زیادتی آئی ہے پس استثناء اپنی تحریم پر باقی ہے یہ امام احمد پر رد ہے اسی طرح نکاح متعہ اپنے نسخ کی وجہ سے اس سے خارج ہوگا۔ سورۃ المومنون کے آغاز میں یہ مفہوم گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ۔ الذین محل رفع میں ہے۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک فعل کے اضمار پر محل نصب میں ہے کیونکہ اس کے بعد امر ہے پہلے جب غلاموں اور لونڈیوں کا ذکر گزرا تو اس کے ساتھ یہ ملایا کہ غلام اگر کتابت طلب کرے تو اس کو مکاتب بنانا مستحب ہے۔ بعض اوقات الکتابۃ سے مراد مستقل ہونا، کمانا اور شادی کرنا ہوتا ہے جب وہ ارادہ کرے یہ اس کے لیے زیادہ پاکدامنی کا باعث ہوگا۔ بعض نے کہا: یہ آیت حویطب بن عبد العزیٰ کے غلام کے بارے نازل ہوئی جس کو صبیح کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا: صبیح کہا جاتا تھا اس نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھے مکاتب بنا دے تو اس نے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حویطب نے اسے سو دینار پر مکاتب بنا دیا اس نے اسے بتیس دینار ہبہ کر دیے باقی اس غلام نے ادا کر دیا وہ جنگ جس میں شہید ہوا تھا۔ قشیری نے اس کو ذکر کیا ہے اور نقاش نے اس کو حکایت کیا ہے۔ مکی نے کہا: یہ صبیح قبطی، حاطب بن ابی بلتعہ کا غلام تھا(1)۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو حکم دیا کہ اپنے مملوک کو مکاتب بنا دیں جب مملوک کتابت کا مطالبہ کرے اور مالک اس میں خیر دیکھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْكِتٰبَ اور المکاتبۃ برابر ہیں۔ باب مفاعلہ دو شخصوں کے درمیان عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس میں سردار اور غلام کا عقد ہوتا ہے کہا جاتا ہے: كَاتَبَ يُكَاتِبُ كِتَابًا وَمُكَاتَبَةً جیسے کہا جاتا ہے: قَاتَلَ قِتَالًا وَمُقَاتَلَةً آیت میں الکتاب مصدر ہے جیسے قتال، جلاد اور دفاع مصدر ہیں۔ بعض علماء نے کہا: کتاب سے مراد یہاں وہ کتاب معروف ہے جس میں کوئی چیز لکھی ہوئی ہوتی ہے یہ اس لیے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ وہ آزادی طلب کرتے تھے جس کے ساتھ کتاب لکھی جاتی تھی اور انہیں دی جاتی تھی۔

مسئلہ نمبر 3۔ شرع میں مکاتبت کا معنی ہے، مالک اپنے غلام کو مخصوص مال کی ادائیگی پر مکاتب بناتا ہے جب وہ قسط وار رقم ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہوگا۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔ غلام مطالبہ کرے اور آقا اس کو قبول کرلے یہ آیت کا مطلق ہے اور اس کا ظاہر ہے۔ غلام مطالبہ کرے اور مالک انکار کر دے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول عکرمہ، عطا، مسروق، عمرو بن دینار، ضحاک بن مزاحم اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کا ہے کہ سردار پر غلام کو مکاتب بنانا واجب ہے اور علماء امصار نے فرمایا: واجب نہیں ہے۔ جنہوں نے واجب کہا انہوں نے مطلق امر سے واجب کہا ہے۔ امر کا صیغہ مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے حتیٰ کہ دلیل اس کے علاوہ پر آجائے؛ یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ طبری نے اس کو

1۔ [illegible] جلد 4، صفحہ 181

پسند کیا ہے۔ داؤد نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ سیرین ابا محمد بن سیرین نے حضرت انس سے کتابت کے متعلق سوال کیا وہ حضرت انس کے غلام تھے حضرت انس نے انہیں مکاتب بنانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر نے حضرت انس پر درہ اٹھایا اور یہ تلاوت کی: فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ داؤد نے کہا: حضرت عمر کی یہ شان نہیں کہ وہ حضرت انس پر ایک مباح پر درہ اٹھاتے جس کا نہ کرنا ان کے لیے جائز تھا۔ اور جمہور علماء نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ اگر وہ اسے غیر سے بیچنے کا مطالبہ کرے تو اس پر بیچنا لازم نہیں ہے اور اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس کو دوگنا قیمت دی جائے۔ اسی طرح اگر غلام مالک سے کہے کہ مجھے آزاد کر دے یا مجھے مدبر بنا دے یا میری شادی کر دے تو بالاجماع مالک پر ایسا کرنا لازم نہیں، اسی طرح مکاتبت بھی لازم نہیں کیونکہ وہ بھی معاوضہ ہے اور بغیر رضا کے صحیح نہیں۔ اور رہا ان کا قول کہ امر مطلق وجوب کا تقاضا کرتا ہے صحیح ہے لیکن جب ایسے قرینہ سے خالی ہو جو اسے وجوب سے پھیرنے کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں اس میں خیر جاننے کی شرط کے ساتھ اس کو معلق کیا گیا ہے۔ پس وجوب ایک امر باطن پر معلق ہے وہ آقا کا اس میں خیر جاننا ہے۔ جب غلام کہے: مجھے مکاتب بنا دو۔ آقا کہے: میں تجھ میں خیر نہیں جانتا۔ یہ امر باطن ہے تو اس میں مالک کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یہ اس باب میں قوی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا خَيْرًا کے قول میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا نے کہا: اس سے مراد مال ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: مال اور ادا ہے۔ حسن اور نخعی نے کہا: دین اور امانت ہے۔ امام مالک نے کہا: میں نے بعض اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد کمانے اور کتابت ادا کرنے کی قوت ہے۔ لیث سے اسی طرح مروی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ عبیدہ سلمانی نے کہا: نماز کا قائم کرنا اور اعمال صالحہ ہیں۔ طحاوی نے کہا: جنہوں نے کہا اس سے مراد مال ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ غلام کا مال اس کے آقا کا مال ہوتا ہے پس غلام کے لیے مال کیسے ہوگا؟ ہمارے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ تم ان میں دین اور صدق جان لو اور تم جان لو کہ وہ تمہارے ساتھ اس بنا پر معاملہ کریں گے کہ وہ وفا کرنے کے مکلف ہیں جو ان پر کتابت اور معاملہ میں سچائی لازم ہوگی۔ پس تم انہیں مکاتب بنا دو۔ ابو عمر نے کہا: جس نے یہ کہا کہ خیر سے مراد یہاں مال ہے اس نے ان علمتم فیھم مالاً کہنے سے انکار کیا ہے۔ کہا جاتا ہے: میں نے اس میں خیر، صلاح اور امانت جان لی، علمت فیه المال نہیں کہا جاتا بلکہ یہ کہا جاتا ہے: علمت عنده المال۔

میں کہتا ہوں: بریرہ کی حدیث ان کا رد کرتی ہے جنہوں نے کہا: الخیر سے مراد مال ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 5۔ جس شخص کے پاس کوئی پیشہ نہیں اس کی کتابت کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غلام کو مکاتب بنانا ناپسند کرتے تھے جب اس کے لیے کوئی پیشہ نہ ہو وہ کہتے: کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں لوگوں کی میل کھاؤں۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے حکیم بن حزام نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد کی طرف خط لکھا: اما بعد! تجھ سے پہلے سلمان اپنے غلاموں کو لوگوں کے سوال کرنے پر مکاتب بناتے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 99

تھے۔ اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے انہیں رخصت دی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابن التیاح ان کے موذن نے ان سے پوچھا: کیا میں مکاتب بن جاؤں جبکہ میرے پاس مال نہیں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں پھر لوگوں کو ابھارا کہ مجھ پر صدقہ کریں لوگوں نے مجھے میرے زر مکاتبت سے زیادہ دیا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا: اس مال کو غلام آزاد کرانے پر خرچ کر دے۔ امام مالک سے اس کی کراہیت مروی ہے۔ وہ لونڈی جس کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے مکاتب بنا مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز اس کو فساد کی طرف لے جائے گی۔ سنت میں حجت ہے اس کی مخالفت میں حجت نہیں ہے۔ آئمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے فرمایا: بریرہ (لونڈی) میرے پاس آئی اور کہا میرے مالکوں نے مجھے نو (9) اوقیہ چاندی پر مکاتبہ بنا دیا ہے اور یہ میں نے نو سال میں ادا کرنی ہے ہر سال ایک اوقیہ چاندی دینی ہے آپ اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں (الحدیث) یہ دلیل ہے کہ آقا اپنے غلام کو مکاتب بنا سکتا ہے جبکہ غلام کے پاس کچھ بھی نہ ہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ خبر دینے کے لیے آئی کہ اس نے مکاتبت طے کی ہے اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد کا سوال کیا یہ اس نے اس وقت سوال کیا تھا جب اس نے کوئی چیز ادا نہیں کی تھی۔ ابن شہاب نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ بریرہ زر کتابت کے سلسلہ میں مدد کرنے کے لیے آئی جبکہ ابھی تک اس نے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا اس کو بخاری اور ابوداؤد نے تخریج کیا ہے (1)۔ اس میں لونڈی کو مکاتبہ بنانے کے جواز پر دلیل ہے یہ نہ تو کام کرنے والی تھی نہ کوئی ہنر رکھتی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی مال تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں پوچھا تھا کہ کیا اس کو کمانے کی طاقت ہے یا کوئی متواتر کام کرتی ہے یا اس کے پاس مال ہے؟ اگر یہ واجب ہوتا تو اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سوال کرتے تا کہ اس پر حکم واقع ہوتا کیونکہ آپ مبین اور معلم بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جنہوں نے خیر کی تفسیر مال سے کی ہے وہ عمدہ تاویل نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کمانے کی قوت ہے ساتھ ساتھ امین بھی ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ کتابت کبھی قلیل مال کے ساتھ اور کبھی کثیر مال کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ رقم قسط وار ادا کی جائے گی کیونکہ بریرہ کی حدیث ہے اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اگر اس نے ہزار درہم پر مکاتب بنایا اور قسطوں کا ذکر نہیں کیا تو اس کی محنت کی مقدار قسط ہوگی اگر چہ مالک اسے پسند نہ بھی کرے۔ امام شافعی نے فرمایا: مدت کا ذکر ضروری ہے کم از کم تین اقساط ہیں۔ اس میں اختلاف ہے جب ایک قسط پر کتابت واقع ہوا کثر اہل علم اس کو ایک قسط پر جائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: ایک قسط پر جائز نہیں اور اسی وقت ادا کرنے پر بھی جائز نہیں یہ اس طرح آزادی ہوگی گویا اس نے کہا: جب تو اتنا اتنا ادا کرے تو تو آزاد ہے۔ اور کتابت نہیں ہے۔ ابن عربی نے کہا: جب کتابت حالی (فوراً رقم دینی ہو) ہو تو علماء کا کتابت میں اختلاف ہے ہمارے علماء کا دوسرے علماء کی طرح اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ کتابت مؤجل (مؤخر) ہے جیسا کہ حدیث بریرہ میں وارد ہے۔ جب اس نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر مکاتبت طے کی ہر سال ایک اوقیہ دینا تھا اسی طرح

1۔ ابوداؤد، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت الکتابۃ، حدیث 3428

صحابہ کرام نے کہا: اسی وجہ سے اس کو کتابت کہا جاتا ہے کیونکہ اس کو لکھا جاتا ہے اور اس پر گواہ بنایا جاتا ہے اسم اور اثر جمع ہو گئے معنی بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ مال اگر موقع پر ادا کرتا ہو جبکہ مال، غلام کے پاس ہو تو وہ مال مقاطعہ ہوگا اور یہ عقد مقاطعہ ہوگی عقد کتابت نہ ہوگی۔ ابن خویز منداد نے کہا: جب فوری مال پر مکاتبت کرے گا تو وہ مال پر آزاد ہوگا کتابت نہ ہو گی۔ ہمارے اصحاب میں سے دوسروں نے کتابت حالی کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو قطاعہ کا نام دیا ہے۔ یہی قیاس ہے کیونکہ اس میں مدت، غلام کو کمانے میں وسعت دینا ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا اگر وہ قسط وقت سے پہلے لے آئے تو مالک پر واجب ہے کہ وہ رقم وصول کرے اور مکاتب کو جلدی آزاد کر دے اور کتابت حالیہ جائز ہے؛ یہ کوفیوں نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: کتابت حالی میں امام مالک سے کوئی نص وارد نہیں ہے بلکہ اصحاب کہتے ہیں یہ جائز ہے اور اس کو قطاعہ کا نام دیتے ہیں۔ رہا امام شافعی کا قول کہ کم از کم تین قسطوں پر جائز ہے صحیح نہیں ہے اگر یہ صحیح ہوتا تو یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ پانچ قسطوں سے کم پر جائز نہیں کیونکہ کم از کم اقساط جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بریرہ کے بارے میں تھیں وہ پانچ تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم تھا اور آپ نے اس کا فیصلہ سنایا پس یہ اولی ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کتابت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی اس پر پانچ اواق چاندی تھے۔ پانچ سال میں ادا کرنی تھی اسی طرح لیث نے یونس سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ بریرہ پر پانچ اوقیہ تھے اور پانچ سال میں ادا کرنے تھے۔ ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: بریرہ آئی تو اس نے کہا میں نے نو اواق چاندی پر مالکوں سے مکاتبت کی ہے (الحدیث) دونوں روایات کے ظاہر میں تعارض ہے مگر ہشام کی حدیث اتصال کی وجہ سے اولی ہے اور یونس کی حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ امام بخاری نے کہا لیث نے کہا مجھے یونس نے بتایا نیز ہشام نے اپنے باپ اور دادا کی حدیث میں جو ثابت کیا ہے دوسروں سے بھی ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 7۔ مکاتب غلام ہوتا ہے جب تک اس پر مال کتابت میں سے کچھ ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکاتب غلام ہے جب تک اس کی مکاتبت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے'' (1) اس حدیث کو ابوداؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کی ہے ان سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس غلام نے سو دینار زر مکاتبت مقرر کیا دس دینار کے سوا سب ادا کر دیا تو بھی وہ غلام ہے'' (2)۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ ثوری، احمد، اسحاق، ابوالثور، داؤد اور طبری کا یہی قول ہے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کئی وجوہ سے مروی ہے۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس میں ان میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا یہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہی ابن مسیب، قاسم، سالم اور عطا کا قول

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابتہ، جلد 2، صفحہ 191

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 192۔ سنن ابی داؤد، حدیث 3426، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ امام مالک نے کہا: جن کو ہم نے اپنے شہر میں پایا وہ یہی کہتے ہیں اس میں دوسرا قول بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ نصف ادا کرلے گا تو وہ مقروض ہوگا؛ یہ نخعی کا قول ہے یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سے سنداً مروی ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک ایک درہم بھی اس پر باقی ہے بہتر ہے ان سے مروی اس قول سے کہ جب نصف ادا کردے گا تو اس پر غلامی نہ ہوگی یہ ابوعمر کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جو اس نے ادا کردیا اتنی مقدار آزاد ہوگیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ آدمی اس میں سے پہلی قسط جو ادا کرتا ہے اس سے اس میں آزادی جاری ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر وہ تہائی کتابت ادا کردے تو وہ آزاد مقروض ہے یہی شریح کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر کتابت دو سو دینار ہو اور غلام کی قیمت بھی دو سو دینار ہو پھر غلام نے اپنی قیمت سے سو دینار ادا کردیئے جو اس کی قیمت ہے تو آزاد ہوگا؛ یہ نخعی کا بھی قول ہے۔ ساتواں قول یہ ہے جب 4/3 اور 4/1 باقی ہو تو وہ مقروض ہے وہ کبھی غلام نہیں رہے گا؛ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔ ابن جریج نے ان سے روایت کیا ہے بعض سلف سے حکایت ہے کہ وہ کتابت کی عقد سے ہی آزاد ہے وہ کتابت کے ساتھ مقروض ہے وہ غلامی کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا اس قول کا رد حدیث بریرہ کرتی ہے جو صحت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں واضح دلیل ہے کہ مکاتب غلام ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو بریرہ بیچی نہ جاتی اگر اس میں آزادی کی کوئی چیز ہوتی تو بیع جائز نہ ہوتی کیونکہ اس سنت پر اتفاق ہے کہ آزاد کو بیچا نہیں جائے گا اسی طرح حضرت سلمان اور حضرت جویریہ کی کتابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب پر غلامی کا حکم لگایا حتی کہ انہوں نے کتابت ادا کردی؛ یہ جمہور کی حجت ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک اس پر کچھ بھی باقی ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے مکاتب کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تو اسے رجم کرے گا اگر وہ زنا کرے یا اس کی شہادت کو جائز قرار دے گا اگر وہ شہادت دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ زید نے کہا: وہ غلام ہے جب تک اس پر کوئی چیز باقی ہے۔ نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکاتب سے اتنا حصہ آزاد ہو جاتا ہے جتنی مقدار وہ زر مکاتب ادا کرتا ہے اور اس پر حد قائم کی جائے گی اتنی مقدار جتنا وہ ادا کر چکا ہے اور جتنا اس سے آزاد ہوا ہے اتنی مقدار وارث ہوگا'' (1)۔ اس کی سند صحیح ہے یہ اس کے لیے حجت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو ابوداؤد نے نبہان مکاتب ام سلمہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے ام سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا مکاتب ہو اور اس کے پاس وہ ہو جو وہ اسے ادا کرسکے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے'' (2)۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے مگر اس میں احتمال ہے کہ یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہو ان کے حق میں ورع اور احتیاط کو لیا ہو جیسے سودہ کو

1۔ سنن نسائی، کتاب العتق، دیۃ المکاتب، جلد 2، صفحہ 247

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، المکاتب، جلد 1، صفحہ 184۔ ایضاً، حدیث 3427، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فرمایا تھا: ''اس سے پردہ کرو'' (1)۔ حالانکہ اس کے بھائی ہونے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ کو فرمایا: ''کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم اسے نہیں دیکھتی ہو یعنی ابن ام مکتوم کو'' (2)۔ حالانکہ فاطمہ بنت قیس کو فرمایا تھا: تو ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزار۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اجماع ہے کہ مکاتب پر جب ایک قسط یا دو قسطیں یا تمام قسطوں کی ادائیگی کا وقت آ جائے پھر مالک اس سے قسط کا مطالبہ نہ کرے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے تو کتابت فسخ نہ ہوگی جب تک وہ اس حال پر باقی رہیں گے۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک نے فرمایا: غلام کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرے جبکہ اس کے پاس ظاہر مال ہو اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرنا جائز ہے اس کے لیے اپنے آپ کو عاجز بنانا جائز نہیں جبکہ وہ اقساط کی ادائیگی پر طاقت رکھتا ہو۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کے لیے اپنے آپ عاجز بنانا جائز ہے خواہ اس کے لیے مال معلوم ہو یا زر کتابت پر طاقت ہو یا یہ معلوم نہ ہو جب وہ کہے گا: میں عاجز آ گیا ہوں (قسط ادا کرنے سے) تو کتابت باطل ہو جائے گی۔ امام مالک نے فرمایا: جب مکاتب عاجز ہو جائے گا تو جو اقساط مالک اس سے پہلے وصول کر چکا ہوگا وہ بھی مالک کے لیے حلال ہو جائیں گی خواہ وہ غلام کی محنت سے تھیں یا اس پر صدقہ کی گئی تھیں اور جو مال اسے اپنی گردن آزاد کرنے کے لیے دیا گیا تھا اور وہ اس نے کتابت میں نہ لگایا تو جنہوں نے وہ مال دیا تھا وہ اپنا واپس لے سکتے ہیں خواہ کسی نے اسے خود دیا ہو اور مکاتب نے اسے معاف کرایا ہو۔ اگر لوگوں نے اس کی بطور صدقہ مدد کی تھی گردن چھڑانے کی غرض سے نہیں دیا تھا۔ اگر وہ غلام قسط ادا کرنے سے عاجز آ گیا تو وہ صدقہ کا مال آقا کے لیے حلال ہوگا اگرچہ اس کے ساتھ اس کی آزادی مکمل ہوئی ہو اور اس سے کچھ مال بچ بھی جاتا ہو۔ اگر وہ آزادی کی غرض سے تھا تو وہ انہیں حصص کے ساتھ واپس کرے گا یا وہ اس کو معاف کریں گے؛ یہ امام مالک کا مذہب ہے جو ابن قاسم نے ذکر کیا ہے۔ اکثر اہل علم نے کہا: اگر وہ مال جس پر مالک نے زر کتابت میں سے قبضہ کر لیا اور جو مال اس کے عاجز آنے کے بعد بچ گیا صدقہ وغیرہ میں سے تو وہ مالک کے لیے ہوگا اور اس کے لئے یہ تمام مال لینا جائز ہے۔ یہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام احمد بن حنبل کا قول ہے اور ایک روایت شریح سے بھی یہی مروی ہے۔ ثوری نے کہا: جو اس نے اس کو دیا ہے آقا اسے گردن چھڑانے میں خرچ کرے؛ یہ مسروق اور نخعی کا قول ہے اور ایک روایت شریح سے یہ بھی ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: جو مالک نے اس سے قبضہ کیا ہے وہ اس کا ہے اور عاجز آنے کے بعد جو اس کے قبضہ میں بچا ہوا ہے وہ غلام کا اپنا ہے مالک کے لیے نہیں ہے؛ یہ ان علماء کا قول ہے جو کہتے ہیں غلام مالک ہوتا ہے۔ اسحاق نے کہا: جو اسے کتابت کی حالت میں عطا کیا گیا وہ جنہوں نے دیا تھا ان پر لوٹایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ حدیث بریرہ اپنے طرق اور الفاظ کے اختلاف کے باوجود اس بات کو متضمن ہے کہ

1۔ صحیح بخاری، مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح، جلد 2، صفحہ 616

2۔ جامع ترمذی، ابواب الادب، ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال، جلد 2، صفحہ 101

اسمیں بیع کتابت کا معاملہ طے ہونے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ اس سبب سے مکاتب کی بیع میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے ایک عنوان ذکر کیا ہے (باب بیع المکاتب اذا رضی) اور آزادی کے لیے اس کی بیع کا جواز ہے جب مکاتب بیع پر راضی ہو اگرچہ عاجز نہ بھی ہو۔ ابن المنذر اور دراوردی کا یہ نظریہ ہے اور ابو عمر عبدالبر نے اس کو پسند کیا ہے یہی ابن شہاب، ابوالزناد اور ربیعہ کا قول ہے مگر انہوں نے کہا: اس کا بیع پر راضی ہونا اس کا عاجز آنا ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: مکاتب کا بیچنا جائز نہیں ہے جب تک وہ مکاتب ہے حتیٰ کہ وہ عاجز آجائے اور اس کی کتابت کی بیع جائز نہیں ہے؛ یہ مصر میں امام شافعی کا قول تھا اور عراق میں فرماتے تھے اس کی بیع جائز ہے اور کتابت کی بیع جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے کتابت کی بیع کو جائز قرار دیا جب وہ کتابت ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا ورنہ وہ کتابت کے خریدنے والے کے لیے غلام ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ اسمیں دھوکا ہے۔ امام شافعی کا قول منع اور اجازت میں مختلف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: مکاتب کی بیع جائز ہے جبتک وہ کتابت میں ہے اگر وہ کتابت ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے اسے خریدا تھا اگر وہ عاجز آگیا تو وہ خریدنے والے کا غلام ہوگا۔ امام نخعی، عطاء، لیث، احمد اور ابوثور کا یہی قول ہے امام اوزاعی نے کہا: مکاتب کو نہیں بیچا جائے گا مگر آزاد کرنے کے لیے۔ اس کے عاجز آنے سے پہلے اس کو بیچنا مکروہ ہے۔ یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ ابو عمر نے کہا: حدیث بریرہ میں مکاتب کی بیع کی اجازت ہے جب وہ بیع پر راضی ہو اور وہ قسط ادا کرنے سے عاجز نہ ہو جس کو ادا کرنے کا وقت آگیا ہے جبکہ ان علماء کا قول مختلف ہے جو کہتے ہیں کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے مگر عجز کی صورت میں کیونکہ بریرہ نے ذکر نہیں کیا کہ وہ قسط ادا کرنے سے عاجز ہے اور نہ اس نے بتایا کہ اس پر قسط ادا کرنے کا وقت آگیا ہے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو عاجز ہے یا کیا تجھ پر قسط ادا کرنے کا وقت آگیا ہے یا نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خریدنے کی اجازت نہ دیتے مگر یہ جاننے کے بعد کہ وہ عاجز ہے اگرچہ ایک قسط کی ادائیگی سے عاجز ہوتی جس کی ادائیگی کا وقت آچکا تھا۔ زہری کی حدیث میں ہے اس نے زر کتابت سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا اور میں اس باب میں بریرہ کی اس حدیث سے اصح کوئی حجت نہیں جانتا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی چیز مروی نہیں ہے جو اس کے معارض ہو اور نہ کوئی خبر مروی ہے جو اس کے عجز پر دال ہو۔ اور علماء نے مکاتب کی بیع سے منع کیا ہے انہوں نے کئی امور سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مذکورہ کتابت ابھی منعقد نہیں ہوئی تھی اور حضرت بریرہ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی ہے اس کا مطلب ہے میں نے مکاتب بنانے کا ان سے سودا طے کیا ہے انہوں نے اس کی قیمت، مدت مقدر کی ہے اور ابھی تک عقد نہیں ہے۔ احادیث کا ظاہر اس کے خلاف ہے جب اس کا سیاق غور سے پڑھا جائے۔ علماء نے کہا: بریرہ ادائیگی سے عاجز تھی اور اس نے اپنے مالکوں سے کتابت کے فسخ کرنے پر اتفاق کر لیا تھا اس وقت بیع صحیح ہوتی ہے مگر یہ ان علماء کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ مکاتب کے عاجز ثابت ہونے کے لئے حاکم کی ضرورت نہیں جب غلام اور آقا اس پر متفق ہو جائیں کیونکہ حق ان سے تجاوز نہیں کرتا؛ یہ معروف مذہب ہے۔ سحنون نے کہا: سلطان کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے خوف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق کے ترک پر متفق ہو جائیں اس کی صحت پر دلیل ہے کہ وہ

عاجز ہوگئی تھی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ان سے اپنی کتابت کے سلسلہ میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی تھی اور ابھی اس نے اپنی کتابت سے کچھ ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا: تو اپنے مالکوں کی طرف لوٹ جا اگر وہ پسند کریں کہ میں تیری کتابت ادا کردوں تو میں ایسا کردوں گی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ تمام کتابت یا بعض کتابت کا اس پر استحقاق ہو چکا تھا کیونکہ حقوق ادا نہیں کیے جاتے مگر جس کا مطالبہ ثابت ہو۔ واللہ اعلم۔ یہ تاویلات ان کی اپنی بیاری کے زیادہ مشابہ ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: میں اس شخص کے لیے حجت نہیں جانتا جو کہتا ہے کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کہے: شاید بریرہ عاجز آگئی تھی۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مکاتب کے مالک کے لیے اس کا بیچنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 11: مکاتب جب کتابت ادا کردے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ مالک سے آزادی کی ابتدا کی طرف محتاج نہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی اولاد جو اس کی لونڈی سے کتابت کے دوران پیدا ہوئی وہ بھی اس کے آزاد ہونے کے ساتھ آزاد ہوں گے اور اس کے غلام ہونے کے ساتھ غلام ہوں گے کیونکہ انسان کی اولاد اس کی لونڈی سے اس کے مقام کی وجہ سے آزاد تصور کی جائے گی اسی طرح مکاتبہ کی اولاد کا تصور ہوگا۔ اگر کتابت سے پہلے ان کی اولاد ہو تو وہ کتابت میں داخل نہ ہوگی مگر شرط کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىكُمۡ یہ مالکوں کو حکم ہے کہ وہ کتابت کے مال میں ان کی مدد کریں یا تو خود اپنی طرف سے کچھ ادا کردیں یا زر کتابت کے مال سے کچھ انہیں معاف کردیں امام مالک نے فرمایا: مکاتب سے آخری قسط میں سے ساقط کیا جائے گا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پینتیس ہزار ۳۵۰۰۰ میں سے پانچ ہزار معاف کیے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چوتھائی کتابت ساقط کرنے کو اچھا سمجھا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بن ابی حسن نے تہائی معاف کرنے کو مستحسن کہا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا دسواں حصہ معاف کرے۔ ابن جبیر نے کہا: کچھ معاف کردے۔ انہوں نے اس کی حد متعین نہیں کی؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ ثوری نے اس کو مستحسن کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: کچھ معاف کرے کم از کم چیز جس پر کچھ چیز ہونے کا اطلاق ہوتا ہو۔ اس پر مالک کو مجبور کیا جائے گا اور حاکم اس کے ساتھ ورثاء پر حکم لگائے گا اگر سردار مرجائے گا۔ امام مالک نے اس امر کو استحباب پر محمول کیا ہے اور کم کرنے کی مقدار کی حد متعین نہیں فرمائی۔ امام شافعی نے وَّاٰتُوۡهُمۡ کے قول میں مطلق امر سے حجت پکڑی ہے اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰى (النحل: 90) اور جو آیت اس کی مثل ہیں۔ ابن عربی نے کہا: اس سے پہلے یہ اسماعیل بن اسحاق قاضی نے ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے عطا کرنے کو واجب کہا ہے اور کتابت واجب نہیں ہے۔ پس امام شافعی نے اصل کو غیر واجب اور فرع کو واجب کہا ہے۔ اس کی مثال نہیں ہے۔ یہ محض ایک دعویٰ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ نکاح کی طرح ہوگا یہ واجب نہیں اور جب یہ منعقد ہو جائے تو اس کے احکام واجب ہوتے ہیں ان میں سے متعہ ہے ہم کہتے ہیں: ہمارے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے۔ حضرت عثمان بن عفان نے اپنے غلام کو

مکاتب بنایا اور قسم اٹھائی کہ زر کتابت میں کچھ بھی معاف نہیں کریں گے۔ یہ ایک طویل حدیث میں ہے۔

میں کہتا ہوں: حسن اور نخعی اور بریدہ نے کہا وَ اٰتُوْهُمْ کا خطاب تمام لوگوں کو ہے کہ وہ مکاتب لوگوں پر صدقہ کریں اور ان کی گردنیں آزاد کرانے میں ان کی مدد کریں۔ زید بن اسلم نے کہا: یہ خطاب والیوں کو ہے کہ وہ صدقہ کے مال سے ان کا حصہ انہیں ادا کریں (1)۔ یہ وہ قول ہے جس کو فی الرقاب کا قول اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے ان دو اقوال کی بنا پر مالک کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مکاتب سے اس کی کتابت سے کوئی چیز ساقط کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کتابت کی اقساط سے کوئی چیز ساقط کرنے کا ارادہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ان سے اتنا مال ساقط کر دو۔

مسئلہ نمبر 13۔ جب ہم نے کہا کہ مخاطب مالک ہیں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ یہ سقوط پہلی قسط سے ہوگا خیر کی طرف جلدی کرنے کے لیے کیونکہ ممکن ہے کہ آخری قسط کو نہ پائے۔ امام مالک وغیرہ نے کہا: سقوط آخری قسط سے ہو اس کی علت یہ ہے کہ جب وہ پہلی قسط سے ساقط کرے گا تو بعض اوقات غلام عاجز آ جاتا ہے تو وہ اور اس کا مال سب مالک کی طرف لوٹ جائے گا اور اس کا ساقط کرنا بھی اس کی طرف لوٹ جائے گا جبکہ یہ صدقہ کے مشابہ ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے مجاہد نے کہا: وہ اس کے لئے ہر قسط سے کچھ چھوڑ دے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک اقوی یہ ہے کہ وہ آخر میں ساقط کرے کیونکہ ہمیشہ ساقط کرنا قرضوں کے آخر میں ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ کتابت کی عقد کی صفت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ مالک اپنے غلام کو کہے میں نے تجھے اتنے اتنے مال پر مکاتب بنایا اتنی اتنی قسط ہوگی جب تو یہ ادا کر دے گا تو تو آزاد ہوگا یا اسے کہے تو مجھے ہزار دس قسطوں میں ادا کر دے تو تو آزاد ہے۔ غلام کہے: مجھے قبول ہے۔ اس طرح کے الفاظ کہے جب وہ اسے ادا کر دے گا تو آزاد ہوگا۔ اسی طرح اگر غلام نے کہا: مجھے مکاتب بنا دے اور سردار کہے: میں نے ایسا کر دیا یا کہے: میں نے مکاتب بنا دیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ لازم نہیں ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ اس کا تقاضا نہیں کرتے اور حال اس کی گواہی نہیں دیتا اگر وہ اس کا ذکر کرے تو اچھا ہے اگر وہ اس کو ترک کر دے تو معلوم ہے اس کی احتیاج نہیں ہے۔ اس باب کے مسائل اور فروع کثیر ہیں ہم نے اس کے اصول سے تمام ذکر کر دیے ہیں جو ان پر اکتفا کرے اس کے لیے کافی ہے۔ واللہ الموفق للھدایۃ۔

مسئلہ نمبر 16۔ مکاتب کی میراث کے بارے میں علماء کے مختلف تین اقوال ہیں۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مکاتب جب مر جائے اور وہ اپنی کتابت سے زائد مال چھوڑ جائے اور اس کے وہ بچے موجود ہوں جو کتابت کے عرصہ میں پیدا ہوئے ہوں یا ان پر اس نے مکاتبت کی ہو تو کتابت ادا کرنے کے بعد وہ باقی مال کے وارث ہوں گے کیونکہ بچوں کا حکم اس کے حکم کی طرح ہے۔ اور اگر اس نے مال نہ چھوڑا ہو تو باقی کتابت کے لیے وہ کوشش کریں گے اور وہ آزاد نہ ہوں گے مگر اس کی آزادی کے ساتھ۔ اگر ان کی طرف سے وہ ادا کرے جس نے ان کی طرف رجوع کرنا تھا، کیونکہ وہ اس پر آزاد ہو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 182

ں گے تو وہ بدرجہ اولی اس کی میراث کے مستحق ہوں گے کیونکہ وہ تمام حالات میں اس کے مساوی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے مال سے تمام زر کتابت ادا کرے اور اسے اس طرح کر دے گویا وہ آزاد مرا ہے اور اس کی تمام اولاد اس کی وارث بن جائے خواہ وہ اولاد جو اس کی موت سے پہلے آزاد تھی اور ان پر اس نے مکاتبت کی تھی یا اس کی کتابت کے دوران پیدا ہوئے تھے کیونکہ وہ حریت میں تمام برابر ہو گئے تھے جب ان کی طرف سے ان کی کتابت ادا ہو گئی؛ یہ قول حضرت علی بنی‌ﷺ اور حضرت ابن مسعود بنی‌ﷺ سے مروی ہے اور تابعین میں سے عطا، حسن، طاؤس اور ابراہیم سے مروی ہے۔ یہی کوفہ کے فقہاء، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب حسن بن صالح بن حی کا قول ہے۔ اسحاق کا نظریہ بھی یہی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مکاتب جب تمام کتابت ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو وہ غلام کی حیثیت سے مرے گا جو مال پیچھے چھوڑے گا وہ اس کے مالک کے لیے ہوگا اس کی اولاد میں سے کوئی وارث نہ ہوگا نہ آزاد اولاد، نہ وہ جو کتابت کے دوران اس کے ساتھ تھے، کیونکہ جب وہ تمام زر کتابت ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ غلام ہو کر مرا اور اس کا مال اس کے مالک کا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا محال ہے اور اس کی وہ اولاد جن پر اس نے مکاتبت لی یا جو اس کی کتابت کے دوران پیدا ہوئے باقی کتابت میں انہیں محنت کرنا ہوگی اور ان سے اس کے حصہ کی مقدار ساقط ہوگا۔ جب وہ ادا کر دیں گے تو وہ آزاد ہو جائیں گے وہ اسمیں اپنے باپ کے تابع ہوں گے۔ اگر وہ زر کتابت ادا نہیں کریں گے تو وہ غلام ہوں گے؛ یہ امام شافعی کا قول ہے، یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے یہی حضرت عمر بن خطاب، حضرت زید بن ثابت، عمر بن عبدالعزیز، زہری اور قتادہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی‌اللہ‌عنہما سے مروی ہے (1) کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے نازل ہوئی اس کی دو لونڈیاں تھیں ایک کا نام معاذہ تھا اور دوسری کا نام مسیکہ تھا وہ انہیں زنا پر مجبور کرتا تھا اور انہیں اجرت طلب کرنے اور بچہ حاصل کرنے پر تکلیف دیتا تھا ان دونوں لونڈیوں نے نبی کریم صلی‌اللہ‌علیہ‌وسلم سے شکایت کی تو عبداللہ بن ابی اور منافقین میں جو ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ معاذہ یہ اس خولہ نامی عورت کی ماں تھی جس نے بارگاہ رسالت میں اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑا کیا تھا صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی کی لونڈی جسکا نام مسیکہ تھا اور دوسری کا نام امیمہ تھا وہ انہیں زنا پر مجبور کرتا تھا انہوں نے نبی کریم صلی‌اللہ‌علیہ‌وسلم سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا یہ الفتیات کی طرف راجع ہے۔ یہ اس طرح ہے لونڈی جب تحصن (پاکدامنی) کا ارادہ کرے تو اس وقت مالک کے لیے مجبور کرنا ممکن ہوتا ہے اور اسے مجبور کرنے سے اسے منع کرنا ممکن ہوتا ہے جب لونڈی خود ہی اس گناہ سے بچنے کا ارادہ نہ رکھتی ہو تو آقا کو یہ کہنا ممکن بھی نہیں کہ تو اسے زنا پر مجبور نہ کر، کیونکہ اکراہ (مجبور کرنا) متصور نہیں ہوتا جبکہ وہ زنا کا ارادہ کرنے والی ہو، یہ سرداروں اور لونڈیوں کو امر

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 381

ہے جبکہ ان کی یہ حالت ہو اس مفہوم کی طرف ابن عربی نے اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی طرف سے بدکاری سے بچنے کے ارادہ کا ذکر کیا ہے کیونکہ مالک کی طرف سے اسے اکراہ (مجبور کرنا) اسی حالت میں متصور ہوتا ہے۔ جب وہ زنا میں پہلے بھی رغبت رکھتی ہو تو اکراہ متصور نہیں ہوسکتا پس علماء نے فرمایا: اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا، الایامی کی طرف راجع ہے۔ زجاج اور حسن بن فضل نے کہا: کلام میں تقدیم وتاخیر ہے (1) یعنی ایامی اور اپنے نیک لوگوں کا نکاح کردو بعض نے فرمایا: اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا کی شرط ملغہ ہے۔ اس طرح کے اقوال کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ مال جو لونڈی فرج کے ذریعے کماتی ہے اور وہ بچہ جو غلام بنایا جائے اور بیچا جائے۔ بعض نے کہا: زانی، مزنی بھا کی اولاد کو سو اونٹ فدیہ دیتا تھا، پھر وہ مالک کو سو اونٹ پیش کرتا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ جو انھیں مجبور کرتا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور ہے (رحیم) اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ اور ابن جبیر نے لهن غفور پڑھا ہے۔ اکراہ (مجبور کرنا) پر کلام سورۃ النحل میں گذر چکی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنے انعام شمار کیے جو اس نے ان پر روشن آیات میں سے نازل کیا ان میں گزشتہ قوموں کی مثالیں ہیں تاکہ جن برے کاموں میں وہ واقع ہوئے تھے یہ اس سے پرہیز کریں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۟ۙ (35)

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشہ کے (ایک فانوس) میں ہو، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے قریب ہے اس کا تیل روشن ہوجائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے، (یہ) نور ہی نور ہے، پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے، اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کلام عرب میں نور ان روشنیوں کو کہتے ہیں جو آنکھ کے ذریعے دیکھی جاتی ہیں مجاز اً دوسرے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی چمکنا بھی ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: کلام له نور اس کا چمکنے والا کلام ہے۔ اسی سے الکتاب المنیر (روشن کتاب) ہے، اسی سے شاعر کا قول ہے:

نسب كأن عليه من شمس الضحا نورا ومن فلق الصباح عمودا (2)

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 201
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 183

لوگ کہتے ہیں: فلان نور البلد و شمس العصر و قمرہ فلاں شہر کا نور ہے زمانہ کا سورج اور چاند ہے۔
شاعر نے کہا: فانّك شمس والملوك كواكبٌ۔
ایک شاعر نے کہا:

هَلّا خصصت من البلاد بمقصد قمر القبائل خالد بن يزيد

ایک اور شاعر نے کہا:

إذا سار عبدالله من مَرْوَ ليلة فقد سار منها نورها و جمالها

یہ کہنا بھی جائز ہے اس کا معنی ہو اللہ کا نور ہے۔ یہ مدح کی جہت سے ہو کیونکہ اس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا اور تمام اشیاء کا نور اس سے ہے اس سے تمام اشیاء کی ابتدا ہے اور اسی سے ان کا صدور ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے وہ ان روشنیوں میں سے نہیں ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہیں وہ پاک ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں اس کی شان اس سے بلند اور بڑی ہے۔
ہشام جوالقی اور مجسمیہ گروہ نے کہا: وہ نور ہے دوسرے انوار کی طرح نہیں، وہ جسم ہے دوسرے اجسام کی طرح نہیں یہ تمام اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور نقلاً محال ہے جیسا کہ علم الکلام میں معروف ہے پھر ان کا قول متناقض ہے کیونکہ ان کا قول جسم یا نور ہے اس پر اس کی حقیقت کے ساتھ ایک حکم ہے اور انکا قول: دوسرے نوروں کی طرح نہیں دوسرے اجسام کی طرح نہیں۔ اس چیز کی نفی ہے جس کو انہوں نے جسمیت اور نور میں سے ثابت کیا تھا یہ تناقض ہے اور اس کی تحقیق علم الکلام میں ہے جو انہیں اس میں ظاہر نظر آیا انہوں نے اس کی اتباع کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب آپ نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ کہتے: اللهم لك الحمد، أنت نور السموات والأرض (1)۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے نور دیکھا" (2) اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں۔ علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے، اس کے ساتھ اور اس کی قدرت سے اشیاء کی روشنی چمکی اور ان کے امور قائم ہوئے اور مصنوعات بنیں۔ یہ کلام ذہن کی تقریب پر مبنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: الملك نور اهل البلد یعنی شہر والوں کے معاملات کا قیام اور ان کی صلاح بادشاہ کے ساتھ ہے کیونکہ اس کے امور سیدھے راستے پر چلاتے ہیں۔ یہ الملک کے لفظ میں مجاز ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں حقیقت محضہ ہے کیونکہ اس نے موجودات کو پیدا کیا عقل کو نور اور ہدایت دینے والا بنایا کیونکہ موجود کا ظہور اس کے ساتھ حاصل ہوا جس طرح روشنی کے ساتھ دیکھی جانے والی چیزوں کا ظہور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بابرکت ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے؛ یہ معنی مجاہد اور زہری وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے اسی طرح ضحاک اور قرظی نے کہا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں: فلان غياثنا یعنی وہ ہماری مدد کرنے والا ہے فلان زادی فلاں میرے ساز و سامان تیار کرنے والا ہے؛ جریر نے کہا:

وأنت لنا نور وغَيْثٌ وعصمه ونَبْتٌ لمن يرجو نَداك ورِيقُ

1۔ صحیح مسلم، صلوٰۃ النبی ﷺ و دعائہ باللیل، جلد 1، صفحہ 262 2۔ ایضاً، صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، جلد 1، صفحہ 99

یعنی ذو ورق۔ مجاہد نے کہا: آسمانوں اور زمین میں امور کی تدبیر فرمانے والا ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حسن اور ابو العالیہ نے کہا: وہ سورج، چاند اور ستاروں سے آسمانوں کو مزین کرنے والا ہے(1) اور زمین کو انبیاء، علماء اور مومنین کے ساتھ مزین کرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کا ہادی ہے(2)۔ پہلا معنی اعم ہے اور تاویل کے ساتھ زیادہ اصح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَثَلُ نُوْرِهٖ یعنی اس کے دلائل کی صفت جو وہ بندہ مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔ دلائل کو نور کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو نور کہا ہے فرمایا: اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ (النساء) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نور فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ (المائدہ) یہ اس وجہ سے فرمایا کیونکہ کتاب ہدایت دیتی ہے اور بیان کرتی ہے اسی طرح رسول کی بھی یہی مثال ہوتی ہے اللہ کی طرف اضافت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دلالت کو ثابت کرنے والا ہے اور بیان کرنے والا ہے اور اسے وضع کرنے والا ہے یہ آیت دوسرے معانی کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ اس میں مثال کے ہر جز کا مقابلہ مثل بہ کے ہر جز کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں جملہ کی جملہ کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے کیونکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت، ہر مخلوق کی صنعت کو اس کا پختہ کرنا اور ان تمام پر اس کے پھیلے ہوئے دلائل ہیں جیسے اس نور سے ہے جس کو تم اس صفت پر بناتے ہو جو اس نور کی صفات میں ابلغ ترین صفت پر ہے جو لوگوں کے سامنے ہے۔ بس وضوح اور روشنی میں اللہ کے نور کی مثال اسطرح ہے جس پر تمہاری انتہا ہے اے انسانو! المشکاۃ۔ دیوار میں بنے ہوئے طاق کو کہتے ہیں جو آر پار نہیں ہوتا؛ یہ ابن جبیر اور جمہور مفسرین کا قول ہے۔ یہ روشنی کو جمع کرتا ہے اس میں چراغ دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ روشنی دیتا ہے اس کی اصل وہ برتن ہے جس میں کوئی چیز رکھی جاتی ہے مشکاۃ چمڑے کا برتن جیسے ڈول، اس میں پانی ٹھنڈا ہوتا ہے یہ مِفْعلة کے وزن پر ہے جیسے مقراۃ و مصفاۃ۔ شاعر نے کہا:

كأن عَيْنَيه مِشكاتان في حجر قِيضا اقتياضا بأطراف المناقير

بعض علماء نے کہا: مشکاۃ قندیل کا ستون جس میں وٹ ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قندیل ہے(3)۔ فرمایا: فِیْ زُجَاجَةٍ کیونکہ وہ شفاف جسم ہے چراغ، فانوس میں زیادہ روشن ہوتا ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ آگ کے ساتھ وٹ: كانها كوكب دری، روشنی کرنے اور چمک میں ستارے کی مانند ہے۔ اس میں دو معانی کا احتمال ہے، وہ چراغ کے ساتھ اس طرح ہے یا اپنی صفائی اور اپنے جوہر کی عمدگی کی وجہ سے اس طرح ہے۔ یہ تاویل نور پر تعاون میں زیادہ بلیغ ہے۔ ضحاک نے کہا: الکوکب الدری سے مراد زہرہ ستارہ ہے(4)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ یعنی درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ مضاف کو حذف کیا گیا ہے اور درخت کو مبارک کہا گیا ہے کیونکہ زیتون نما (بڑھوتری) کے اعتبار سے پھلوں میں سے بڑا ہے۔ اسی طرح انار ہے۔ مشاہدہ اس کا تقاضا کرتا ہے ابو طالب نے مسافر بن ابی عمرو بن امیۃ بن عبد شمس کے مرثیہ میں کہا:

ليتَ شِعري مسافرَ بن أبي عمرو وليتٌ يقولها المحزونُ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 202 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 203 4۔ تفسیر ثعلبی، جلد 4، صفحہ 189

بورك الميت الغريب كما بو رك نبعُ الرمان والزيتونُ(1)

بعض نے کہا: ان کی برکت کی وجہ سے ان کو مبارک کہا گیا ہے کیونکہ ان کی ٹہنیاں نیچے سے اوپر تک پتے نکالتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زیتون میں بہت سے منافع ہیں۔ اس سے چراغ جلایا جاتا ہے، یہ بطور سالن استعمال ہوتا ہے، بطور تیل استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ دباغت کی جاتی ہے، اس کے ساتھ لکڑیوں کو آگ لگائی جاتی ہے، اس میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس میں منفعت ہے حتی کہ اس کی راکھ کے ساتھ ریشم کو صاف کیا جاتا ہے۔ یہ پہلا درخت ہے جو دنیا میں پیدا ہوا اور طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے اگنے والا یہی درخت ہے۔ انبیاء کی منازل اور ارض مقدسہ میں اگتا ہے۔ اس کے لیے ستر انبیاء کرام نے برکت کی دعا کی۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اللھم بارك فی الزیت والزیتون یہ دو مرتبہ عرض کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لاشرقیة ولا غربیة اس قول میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، قتادہ وغیرہم نے فرمایا: شرقیة، جس کو سورج کی دھوپ پڑتی ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے(2)۔ اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس وقت اسے سورج کی دھوپ نہیں لگتی، کیونکہ اس کے لیے پردہ ہوتا ہے۔ اور غربیہ، اس کے برعکس ہے یعنی وہ صحراء میں درخت ہے زمین پر ظاہر ہے سورج کی دھوپ سے کوئی چیز اسے نہیں چھپاتی وہ تیل کے لیے عمدہ ہوتا ہے نہ خالصۃ شرق کے لیے ہے کہ اسے شرقیہ کہا جائے اور نہ غرب کے لیے ہے کہ اسے غربیہ کہا جائے بلکہ وہ شرقیہ غربیہ ہے۔ طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ ایک بہت بڑے صحن میں درخت ہے اس کو اس گھر نے گھیرا ہوا ہے۔ وہ شرق کی جہت سے نہ منکشف ہوتا ہے اور نہ غرب کی جہت سے منکشف ہوتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درست نہیں ہے کیونکہ وہ پھل جو اسطرح ہوتا ہے اس کی اطراف خراب ہوتی ہیں یہ کائنات میں مشاہدہ ہے۔ حسن نے کہا: یہ دنیا کے درختوں میں سے نہیں ہے(3) یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے لیے قائم فرمائی ہے کیونکہ اگر یہ دنیا میں ہوتا تو یا یہ شرقیہ ہوتا یا غربیہ ہوتا۔ ثعلبی نے کہا: قرآن نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ یہ دنیا کا درخت ہے، کیونکہ شام کے درخت نہ شرقی ہیں نہ غربی ہیں شام کے درخت افضل درخت ہیں یہ ارض مبارکہ ہے اور شرقیہ، زیتونہ کی نعت ہے اور لا صفت اور موصوف کے درمیان حائل نہیں ہوتا ولا غربیة، اس پر ولا غربیة کا عطف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ یہ اس کے حسن صفائی اور جودت میں مبالغہ ہے نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ، مشکاۃ میں چراغ کی روشنی جمع ہے زجاجہ (شیشہ) تک وہ روشنی پہنچتی ہے اور تیل کی روشنی تک پہنچتی ہے پس اسی وجہ سے وہ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ہو گیا ہے۔ یہ انوار مشکاۃ (طاق) میں جمع ہوئے تو وہ انتہائی خوبصورت نور ہو گیا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے براہین واضح ہیں۔ یہ دلیل کے بعد دلیل ہے اور تنبیہ کے بعد تنبیہ ہے جیسے رسولوں کو مبعوث فرمایا، کتب کو نازل فرمایا اور نصیحتیں فرمائیں جن میں عقل سلیم رکھنے والے کے لیے تکرار ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف اسے ہدایت دیتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے سعادت بخشتا ہے اپنے بندوں پر ضرب الامثال کی صورت میں اپنے فضل کا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 184 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 185 3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 205

ذکر فرمایا تا کہ انھیں عبرت نصیب ہو اور ایسی نظر ملے جو انہیں ایمان تک پہنچانے والی ہو۔ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ اور ابو عبدالرحمن سلمی نے اللہ نور نون کے فتحہ اور واو کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نورہ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔ کعب احبار اور ابن جبیر نے کہا: اس کا مرجع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی مثل نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم (1)۔ ابن انباری نے کہا: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ پر وقف حسن ہے پھر کلام کا آغاز ہو رہا ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ یعنی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال۔ حضرت ابی بن کعب اور ابن جبیر نے بھی اور ضحاک نے کہا: اس کا مرجع مومنین ہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں مثل نور المومنین ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ ان کی قراءت میں مثل نور المومن ہے روایت ہے کہ اس میں مثل نور من امن بہ ہے۔ حسن نے کہا: اس کا مرجع قرآن اور ایمان ہے۔ مکی نے کہا: ان اقوال کی بناء پر (الارض) پر وقف ہوگا ابن عطیہ نے کہا: ان اقوال کی بنا پر ضمیر کا مرجع ایسا ہوگا جس کا پہلے ذکر نہیں ہے۔ اس میں مثال کے ہر جز کا مقابلہ ممثل بہ کے جز سے ہوگا۔ پس جنہوں نے کہا کہ ممثل بہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ کعب حبر کا قول ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشکاۃ ہوں گے یا آپ کا سینہ مشکاۃ ہوگا اور مصباح سے مراد نبوت اور اس سے متصل اچھا عمل اور ہدایت ہے۔ الزجاجۃ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب (دل) ہے الشجرۃ المبارکۃ سے وحی اور ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پیغام آپ کی طرف لاتے تھے اور اس کا سبب جو اس سے متصل ہوتا۔ الزیت سے مراد وہ حجج و براہین ہیں وحی جن کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی تھی اور جنہوں نے کہا: ممثل بہ مومن ہے۔ ان کے نزدیک چراغ سے مراد ایمان اور علم ہے۔ زجاج سے مراد اس کا دل ہے۔ زیت سے مراد حجتیں اور حکمت ہے جن کو وہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ حضرت ابی نے کہا: وہ مومن لوگوں میں بہتر حالت میں چلتا ہے جس طرح زندہ مردوں کی قبور میں چلتا ہے اور جنہوں نے کہا: ممثل بہ قرآن اور ایمان ہے تو تقدیر کلام اسطرح ہوگی مثل نورہ الذی ہو الایمان فی صدر المؤمن فی قلبہ کمشکاۃ یعنی اس نور کی مثال جو ایمان ہے جو بندہ مومن کے سینہ میں ہے اس کے دل میں ہے جو طاق کی طرح ہے۔ اس میں پہلی دونوں تشبیہوں کی طرح تشبیہ نہیں ہے کیونکہ مشکاۃ ایمان کا مقابل نہیں ہے۔ ایک جماعت نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جسے ثعلبی، ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ یہ معنی گذر چکا ہے اس قول کی بنا پر (الارض) پر وقف نہ ہوگا۔ مہدوی نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے تقدیر اس طرح ہوگی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اس نے جو مسلمانوں کے قلوب میں ہدایت ڈالی اس کی مثال مشکاۃ کی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسی طرح حضرت زید بن اسلم نے کہا ہے۔ حسن نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو مثل نورہ فی قلب المومن کمشکاۃ پڑھتے تھے۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: ان کے علاوہ کسی نے قرآن میں اسطرح نہیں پڑھا ہے۔ اور تاویل میں ان کی موافقت کی ہے کہ یہ بندہ مومن کے دل میں اس کا نور ہے۔ اس کی تصدیق دوسری آیت میں ہے فرمایا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر:22) اور پہلے مفسرین نے اس کی اس طرح علت بیان کی ہے کہ ضمیر کو اللہ کے لیے بنانا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 183

کے نور کی کوئی حد نہیں ہے۔ ابو عمر دوراور دی نے کسائی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مشکاۃ کے الف میں اور اس سے پہلے کاف میں امالہ کیا ہے۔ نصر بن عاصم نے زجاجۃ کو زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح الزجاجۃ کو بھی زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے۔ ابن عامر اور حفص نے عاصم سے دری دال کے ضمہ اور ی کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قراءت کی دو وجہیں ہیں یا تو کوکب، الدر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کی سفیدی اور صفائی کی وجہ سے یا اس کی اصل دری ء مہموز ہے۔ فعیل یہ الدرء سے مشتق ہے جسکا معنی دور کرنا ہے۔ پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی وہ بڑے بڑے ستارے جن کے اسماء معروف نہیں ہیں ان کو الدراری (بغیر ہمزہ کے) کہا جاتا ہے۔ حمزہ اور ابو بکر نے عاصم سے دری ء ہمزہ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے یہ فعیل کے وزن پر الدرء سے مشتق ہے اس معنی میں کہ وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں۔ کسائی اور ابو عمر نے دری ء دال کے کسرہ اور ہمزہ کے ساتھ الدرء سے مشتق کر کے پڑھا ہے جسکا معنی دور کرنا ہے جیسے السکیر اور الفسیق۔ سیبویہ نے کہا: ابو عبیدہ نے ابو عمر اور کسائی کی قرات کو انتہائی ضعیف قرار دیا کیونکہ انہوں نے اس کو درات سے مشتق کیا ہے جسکا مطلب ہے دور کرنا یعنی ستارہ ایک افق سے دوسرے افق کی طرف چلتا ہے۔ جب یہ تاویل ہو تو کلام میں کوئی فائدہ نہیں رہتا اور اس ستارے کی بہت سے ستاروں پر کوئی فضیلت نہیں رہتی۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یہ نہیں کہا جاتا جاءنی انسان من بنی آدم۔ ابو عمرو اور کسائی جیسے علماء کو ایسی دور از فکر تاویل نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن ان کی تاویل اس کے مطابق ہے جو محمد بن یزید سے مروی ہے کہ ان کا معنی یہ ہے کہ ستارا نور کو دور کرتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: اندرء الحریق یعنی اندفع آگ سے دور رہ۔ یہ تاویل میں قرات کے لیے صحیح ہے۔ سعید بن مسعدہ نے حکایت کیا ہے کہا جاتا ہے درء الکوکب بضوءہ جب اس کی روشنی لمبی اور بلند ہو۔ جوہری نے الصحاح میں فرمایا: درء علینا فلان یدرء دروء یعنی اچانک طلوع ہوا۔ اسی سے کوکب دری بروزن فعیل ہے جیسے سکیر اور خمیر۔ اس کے زیادہ روشن ہونے اور چمکنے کی وجہ سے ہے۔ قد درا الکوکب دروء۔ ابو عمر بن علاء نے کہا: میں نے سعد بن بکر کے ایک شخص سے پوچھا جو ذات عرق سے تھا میں نے کہا: اس بڑے ستارے کو تم کیا کہتے ہو۔ فرمایا: الدری۔ وہ لوگوں میں سے بلیغ تھا۔ نحاس نے کہا: حمزہ کی قرات اہل لغت کے قول کے مطابق غلط ہے بالکل جائز نہیں ہے کہ عرب کلام میں کوئی اسم فُعّیل کے وزن پر نہیں ہے۔ ابو عبید نے اس پر اعتراض کیا اور حمزہ کی طرف سے حجت پیش کی کہ یہ فعیل کا وزن نہیں بلکہ یہ فعول کے وزن پر ہے جیسے سبوح واو سے یاء کو بدلا گیا ہے جیسے کہتے ہیں عُتِی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ اعتراض اور احتجاج بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ بالکل جائز نہیں ہے اگر وہ جائز ہوتا جو انہوں نے کہا ہے تو سبوح میں سبیح کہا جاتا۔ یہ کسی نے بھی نہیں کہا ہے۔ عتی اس سے نہیں ہے ان کے درمیان فرق واضح ہے کیونکہ عتی دو جہتوں سے خالی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ عات کی جمع ہو۔ اس میں بدل لازم ہوگا کیونکہ جمع تغییر کے باب سے ہے اور واو اسماء میں طرف کلمہ میں نہیں ہوتی جبکہ اس سے پہلے ضمہ ہو۔ جب اس سے پہلے ساکن تھا اور ساکن سے پہلے ضمہ تھا اور ساکن مضبوط آڑ نہیں ہے تو ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کیا گیا اور واو کو یاء سے بدلا گیا۔ اور اگر عتی واحد ہو تو واو کے ساتھ اولی ہے اور اس کا قلب جائز ہے کیونکہ طرف کلمہ میں ہے۔ اور فعول میں واو طرف کلمہ میں نہیں پس اس کا قلب جائز نہیں۔ جوہری اور ابو عبید نے کہا: اگر تو دال کو ضمہ دے اور تو کہے دری تو

یہ الدر کی طرف منسوب ہوگا فعلیّ کے وزن پر ہوگا اور مہموز نہ ہوگا کیونکہ عرب کلام میں فعیل نہیں ہے۔ قراء میں سے جنہوں نے اس کو ہمزہ دیا ہے انہوں نے فعول کا ارادہ کیا ہے جیسے سبوح ہے پھر کثرت سے ضموں کی وجہ سے ثقل پیدا ہو گیا تو بعض کو کسرہ کی طرف لوٹا دیا۔ اخفش نے بعض سے حکایت کیا ہے دری یہ دراتہ سے مشتق ہے اس کو ہمزہ دیا ہے اور اسے فعیل کے وزن پر پہلے حرف کو فتحہ دیا ہے۔ فرمایا: یہ اس کی چمک کی وجہ سے ہے۔ ثعلبی نے کہا: سعید بن مسیب اور ابو رجاء نے دری دال کے فتحہ کے ساتھ مہموز پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ خطا ہے کیونکہ کلام میں فعیل بھی نہیں ہے اگر ان سے یہ صحیح ہو تو وہ دونوں حجت ہیں۔ یوقد شیبہ، نافع، ایوب، سلام ابن عامر، اہل شام اور حفص نے یوقد یاء مضمومہ کے ساتھ، قاف کی تخفیف اور دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن، سلمی، ابو جعفر، ابو عمرو بن علاء بصری نے توقد تمام حروف مفتوحہ کے ساتھ اور قاف کی شد کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو حاتم اور ابو عبید نے اس کو اختیار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ دونوں قراءتیں قریب قریب ہیں کیونکہ دونوں مصباح کے لیے ہیں۔ یہ وصف کے مناسب ہیں کیونکہ وہ روشن کرتا ہے اور روشن ہوتا ہے۔ الزجاجۃ اس کے لیے برتن ہے اور توقد ماضی توقد، یتوقد سے ہے۔ اور یوقد فعل مضارع اوقد، یوقد سے ہے۔ نصر بن عاصم نے توقد پڑھا ہے اس کی قرات پر اصل تتوقد ہے ایک تاء کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسری اس پر دلالت کرتی ہے کوفیوں نے توقد تاء کے ساتھ پڑھا ہے الزجاجۃ کی طرف ضمیر لوٹائی ہے یہ دونوں قراءتیں الزجاجۃ کی تانیث کی بنا پر ہیں، مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ اس پر کلام گزر چکی ہے۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ مونث فعل نار کی تانیث کی وجہ سے ہے۔ ابو عبید نے کہا: صرف یہی قراءت معروف ہے۔ ابو حاتم نے حکایت کیا ہے کہ سدی نے ابو مالک سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لم یمسسہ نار یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: تذکیر اس بنا پر ہے کہ یہ مونث غیر حقیقی ہے۔ ان کے نزدیک مونث کے استعمال کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: المشکاۃ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جوف (پیٹ) ہے اور الزجاجۃ سے مراد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور المصباح سے مراد وہی نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رکھا ہے۔ وہ روشن کیا جاتا ہے شجرۃ مبارکۃ سے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ابراہیم سے ہے وہ آپ کا شجرہ (درخت) ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں نور رکھا جس طرح حضرت ابراہیم کے قلب میں نور رکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: المشکاۃ سے مراد حضرت ابراہیم ہیں۔ الزجاجۃ سے مراد حضرت اسماعیل ہیں اور المصباح سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مصباح رکھا جیسا کہ آپ کا نام سراج رکھا۔ فرمایا: وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب) يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت آدم ہیں ان کی نسل میں برکت ڈالی گئی اور آپ سے انبیاء و اولیاء کثرت سے ہوئے۔ بعض علماء نے فرمایا: شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک فرمایا کیونکہ اکثر انبیاء کرام آپ کی صلب سے تھے لا شرقیۃ ولا غربیۃ یعنی ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصاری مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن لوگوں کے لیے وحی الٰہی آنے سے پہلے بھی روشن تھے۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نبی کی نسل سے نبی۔ ضحاک نے کہا:

مشکاۃ سے مراد عبد المطلب ہیں (1)، الزجاجۃ سے مراد حضرت عبد اللہ ہیں اور المصباح سے مراد حضرت محمد ﷺ پس حضرت محمد ﷺ ان دونوں کے دل میں تھے آپ حضرت ابراہیم سے نبوت کے وارث بنے۔ من شجرۃ تقوی رضوان کا درخت اور ہدایت وایمان ایک درخت ہے جس کی اصل نبوت ہے اور اس کی فرع مروت ہے، اس کی ٹہنیاں تنزیل ہیں اور اس کے پتے تاویل ہیں اور اس کے خدمت گذار جبریل ومیکائیل ہیں۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے کہا غریب امر یہ ہے کہ بعض فقہاء نے کہا یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت محمد ﷺ، حضرت عبد المطلب اور ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ کی مثال دی ہے۔ المشکاۃ سے مراد حبشہ کی زبان میں طاق ہے عبد المطلب کو مشکاۃ سے تشبیہ دی گئی جس میں قندیل ہے اور الزجاجۃ ہے اور حضرت عبد اللہ کو قندیل سے تشبیہ دی گئی اور وہ الزجاجۃ ہے اور حضرت محمد ﷺ مصباح کی مانند تھے یعنی ان کی اصلاب میں گویا وہ روشن ستارہ ہے اور وہ مشتری ہے۔ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ یعنی نبوت کی میراث حضرت ابراہیم سے ہے وہ مبارک درخت ہیں، یعنی حنیفیۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ لا یہودیۃ ولا نصرانیۃ۔ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ فرمایا: قریب تھا حضرت ابراہیم وحی کے ساتھ کلام کرتے وحی آنے سے پہلے، نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ حضرت ابراہیم پھر حضرت محمد ﷺ۔ قاضی نے کہا: یہ تمام ظاہر سے عدول ہے اور تمثیل میں ممتنع نہیں ہوتا کہ آدمی اس میں وسعت دے۔ میں کہتا ہوں: سوائے پہلے قول کے تمام اقوال کا آیت سے ربط نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال دینا ممکن بھی نہیں ہے یہ مخلوق کو تنبیہ کرنے کے لیے تھا مگر بعض مخلوق کے ساتھ کیونکہ مخلوق اپنے قصور کی وجہ سے کسی بات کو نہیں سمجھتی مگر اپنی ذات کے ذریعے اور اپنی ذات سے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہ پہچانتا مگر اللہ وحدہ؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے نور اور ہدایت کی مثال ہے جو بندہ مومن کے دل میں ہوتی ہے قریب ہے بندہ مومن ہدایت کے مطابق عمل کرے علم آنے سے پہلے، جب معرفت آنے سے پہلے حضرت ابراہیم نے کہا: هٰذَا رَبِّیْ (الانعام: 77) یہ آپ نے کسی کے خبر دینے سے پہلے کہا تھا کہ اب کوئی رب ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ اس کا رب ہے تو ہدایت میں اضافہ ہوگیا اور فرمایا: قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (البقرہ) اور جنہوں نے کہا: یہ بندہ مومن کے دل میں قرآن کی مثال ہے۔ فرمایا: جس طرح یہ چراغ روشن کیا جاتا ہے اور وہ کم نہیں ہوتا اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور کم نہیں ہوتا المصباح سے مراد قرآن ہے۔ الزجاجۃ سے مراد مومن کا دل ہے اور المشکاۃ سے مراد اس کی زبان اور اس کا فہم ہے۔ شجرہ مبارکہ سے مراد شجرۃ الوحی ہے۔ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ قریب ہے کہ قرآن کے دلائل واضح ہو جائیں اگرچہ نہ بھی پڑھے جائیں۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لیے نور ہے باوجود اس کے کہ نزول قرآن سے پہلے اعلام ودلائل ان کے لیے قائم فرما دیئے تھے پس ان کے نور میں مزید اضافہ ہوگیا پھر بتایا کہ یہ نور عزیز ہے اسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا مگر جس کی ہدایت کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے۔ فرمایا: یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اشیاء کو افہام

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 384

کے قریب کرنے کے لیے بیان فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ سب کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور آسمان کے نیچے کیسے پایا جاتا ہے (1)؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

"ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح و شام وہ (جوان) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یاد الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی تاکہ جزا دے انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب"۔

ان میں انیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ، بیوت کی باء کو ضمہ اور کسرہ دیا جاتا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اور فی کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مصباح کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا: یسبح کے متعلق ہے۔ اس تاویل پر علیم پر وقف ہوگا۔ ابن انباری نے کہا: میں نے ابو العباس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ مصباح، الزجاجۃ اور الکوکب سے حال ہے گویا فرمایا: وھی بیوت۔ ترمذی حکیم محمد بن علی نے کہا: فی بیوت منفصل ہے گویا فرمایا: اللہ فی بیوت أذن اللہ أن ترفع، اللہ ان گھروں میں ہے اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے۔ اسی وجہ سے اخبار وارد ہیں کہ جو مسجد میں بیٹھا تو وہ اپنے رب سے ہم مجلس ہوا۔ اسی طرح تورات سے حکایت کیا گیا ہے کہ مومن جب مسجد کی طرف چلتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری زیارت کی اور مجھ پر اس کی مہمان نوازی ہے اور میں جنت سے کم مہمان نوازی پر اس کے لیے راضی نہ ہوں گا۔ ابن انباری نے کہا اگر فی کو یسبح کے متعلق کیا جائے یا رجال کو رفع دینے والی ہو تو وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے قول پر وقف بہتر ہے۔ رمانی نے کہا: یہ یوقد کے متعلق ہے اور اس بناء پر علیم پر وقف نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کیا وجہ ہے جب بیوت، یوقد کے متعلق ہوں مصباح اور مشکاۃ واحد ہیں اور بیوت جمع ہے اور ایک مشکاۃ ایک گھر میں ہوگا۔ بعض علماء نے کہا: یہ اس متلون خطاب سے ہے جس کا واحد سے آغاز ہے اور جمع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 106

کے ساتھ اختتام ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق: 1) اور اس قسم کی دوسری مثالیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ بیوت میں سے ہر بیت کی طرف راجع ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس قول کی مانند ہے وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا (نوح: 16) حالانکہ چاند ایک آسمان میں ہے۔ علماء کے یہاں بیوت کے متعلق پانچ اقوال ہیں: پہلا قول: اس سے مراد مساجد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ خاص ہیں اور یہ اہل آسمان کے لیے اسطرح چمکتی ہیں جس طرح ستارے اہل زمین کے لیے چمکتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن کا قول ہے

دوسرا قول: یہ بیت المقدس کے بیوت ہیں، یہ بھی حسن سے مروی ہے۔ تیسرا قول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت مراد ہیں، یہ بھی مجاہد سے مروی ہے۔ چوتھا قول: یہ تمام بیوت ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے اور يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ اس قول کو تقویت دیتا ہے کہ اس سے مراد مساجد ہیں۔ پانچواں قول:۔ اس سے مراد وہ چار مساجد ہیں جنہیں انبیاء نے تعمیر کیا ہے کعبہ، بیت اریحا، مسجد نبوی، مسجد قبا؛ یہ ابن بریدہ کا قول ہے؛ یہ پہلے سورۃ براءت میں گذر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں: اظہر قول پہلا قول ہے کیونکہ حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے اصحاب سے محبت کرے جو میرے اصحاب سے محبت کرتا ہے وہ قرآن سے محبت کرے جو قرآن سے محبت کرتا ہے وہ مساجد سے محبت کرے یہ اللہ تعالیٰ کے فناء اور بناء ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے اور ان کے اہل کی برکت محفوظ ہے ان کے اہل محفوظ ہیں وہ اپنی نماز میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے وہ اپنی مساجد میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی حفاظت فرماتا ہے''۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ اذن کا معنی حکم دینا اور فیصلہ کرنا ہے اذن کی حقیقت علم اور قدرت دینا ہے بغیر کسی رکاوٹ کے اگر اس کے ساتھ امر اور نفاذ متصل ہو تو یہ اقویٰ ہوتا ہے۔ ترفع کا معنی ہے بنائے گئے اور بلند کئے گئے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ (البقرہ: 127)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے مال سے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا'' (1)۔ اس معنی میں بہت سی احادیث ہیں جو مساجد کے بنانے پر برانگیختہ کرتی ہیں حسن بصری وغیرہ نے کہا: ترفع کا معنی یہ ہے ان کی تعظیم کرنا اور ان کی شان بلند کرنا، غلاظتوں اور انجاس سے پاک کرنا۔ حدیث میں ہے ''مسجد نجاست کی وجہ سے اسطرح سٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ کی وجہ سے سکڑ جاتا ہے''۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد سے کسی غلاظت اور آلودگی کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم گھروں میں مساجد بنائیں اور انہیں صاف ستھرا رکھیں اور خوشبو لگائیں (2)۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، من بنی لله مسجداً، جلد 1، صفحہ 54۔ ایضاً، حدیث نمبر 728، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، تطهير المساجد، جلد 1، صفحہ 55۔ ایضاً، حدیث نمبر 449، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 3۔ جب ہم کہتے ہیں کہ مساجد کی بنیان سے مراد کیا انہیں مزین کرنا ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے اس کو مکروہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ حماد بن سلمہ نے ایوب سے انہوں نے ابو قلابہ سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا اور قتادہ نے بھی حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ لوگ مساجد کے سبب فخر کریں گے'' (1)۔ اس حدیث کو ابوداود نے نقل کیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے حضرت انس نے فرمایا: مساجد پر فخر کریں گے پھر انہیں آباد بہت کم کریں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم انہیں مزین کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہیں مزین کی تھیں۔ اور حکیم ابو عبداللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ابو درداء کی حدیث روایت کی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اپنی مساجد کو مزین کرو گے اور تم اپنے مصاحف کو زیور پہناؤ گے تو تم پر ہلاکت ہوگی''۔ اور جن علماء نے مساجد کی تزیین اور خوبصورتی کو مباح قرار دیا ہے انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اس میں مساجد کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعظیم کا اس ارشاد: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ میں حکم دیا ہے ترفع کا معنی تعظیم کرنا ہے۔ حضرت عثمان سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر دیار کی لکڑی سے کی اور اسے خوبصورت بنایا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: مساجد میں سونے کے پانی سے نقش و نگار بنائے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی میں نقش و نگار بنوائے اور اس کی عمارت اور تزیین میں مبالغہ کیا یہ ان کی خلافت سے پہلے ولایت کے زمانہ میں ہوا تھا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا تھا۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے دمشق کی مسجد کی تعمیر میں اور تزیین میں شام کے خراج سے تین گنا مال خرچ کیا اور روایت ہے کہ حضرت سلمان بن داود علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد بنائی اور اس کی تزیین میں مبالغہ کیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ مساجد کو بدبودار چیزوں اور برے اعمال وغیرہ سے بھی بچانا اور محفوظ رکھنا چاہیے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ یہ بھی مساجد کی تعظیم سے ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا: ''جس نے اس درخت یعنی اس سے کھایا وہ مساجد میں نہ آئے (3)'' اور حضرت جابر بن عبداللہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اس سبزی لہسن سے کھایا'' اور کبھی فرمایا: ''جس نے پیاز، تھوم اور بدبودار سبزی سے کھایا ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ملائکہ کو ان چیزوں سے تکلیف محسوس ہوتی ہے جن سے بنو آدم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے''۔ حضرت عمر بن خطاب نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ''اے لوگو! تم دو درخت کھاتے ہو میں انہیں نہیں دیکھتا مگر خبیث وہ پیاز اور تھوم ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ مسجد میں کسی شخص سے پیاز اور تھوم کی بدبو محسوس کرتے تو اسے حکم دیتے کہ تو بقیع کی طرف نکل جا۔ اور جو ان کو کھائے تو پکا کر ان کی بدبو کو ختم کر دے۔ اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ علماء نے فرمایا:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 54۔ ایضاً، حدیث 730، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، الحدث فی المسجد، جلد 1، صفحہ 64

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النھی عن اکل الثوم، جلد 1، صفحہ 209

مسجد سے اس کو نکالنے کی علت اس کی اذیت تھی تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے مسجد میں اس کے پڑوسیوں کو تکلیف ہو مثلاً کوئی چرب زبان ہو، نادان ہو یا اس سے بدبو آتی ہو اور اس کے برے پیشے کی وجہ سے بدبو اس سے جدا نہ ہوتی ہو یا کوئی ایسی موذی مرض ہو جیسے جذام وغیرہ اور ہر وہ چیز جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اہل مسجد کو اس شخص کو مسجد سے نکالنا جائز ہے جب اس میں یہ علت موجود ہوحتی کہ اس سے وہ علت زائل ہو جائے اسی طرح ایسا شخص لوگوں کے مجمع سے پرہیز کرے جو نماز وغیرہ کے لیے ہو جیسے علم، ولیمہ اور اس جیسی دوسری مجالس جو تھوم وغیرہ کھاتا ہے یا ایسی چیز کھاتا ہے جس کی بدبو ہوتی ہے اور لوگوں کو اذیت دیتی ہے، اسی وجہ سے پیاز تھوم اور الکراث (بدبودار سبزی) کو جمع فرمایا اور بتایا کہ یہ ایسی چیزیں ہیں جو اذیت کا باعث ہوتی ہیں۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: میں نے اپنے شیخ ابو عمر احمد بن عبدالملک بن ہشام کو دیکھا کہ انہوں نے اس شخص کے بارے فتوی دیا جس کے پڑوسیوں نے اس کی شکایت کی اور انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ انہیں مسجد میں اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے اذیت دیتا ہے اس کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو انہوں نے اسے مسجد سے نکالنے کا فتوی دیا اور مسجد سے دور کرنے کا فتوی دیا اور ان کے ساتھ نماز میں حاضر نہ ہونے کا فتوی دیا۔ کیونکہ اس جنون کے ہوتے ہوئے اس سے سلامتی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ایک دن شیخ صاحب سے اس فتوی کی دلیل پوچھی اور ان سے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے حدیث سے ثوم (لہسن) سے استدلال کیا اور فرمایا: میرے نزدیک یہ لہسن کھانے والے سے زیادہ اذیت کا موجب ہے اور ایسے شخص کو مسجد میں جماعت کے ساتھ حاضر ہونے سے منع کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: آثار مرسلہ میں ہے کہ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بدبو سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ اس بنا پر جو جھوٹ بولتا ہو اور باطل کلام کرتا ہو اسے مسجد سے نکالا جائے گا کیونکہ اذیت دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تمام مساجد برابر ہیں اس کی وجہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بارے میں وارد ہوئی کیونکہ اس میں جبریل امین آتے تھے نیز حضرت جابر کی حدیث میں ہے: فلا یقربن مسجدنا(1) ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ حکم میں صفت ذکر کی اور وہ مسجد ہونا ہے حکم میں صفت کا ذکر تعلیل ہوتا ہے۔ ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دنیا کی مساجد لائے گا گویا وہ سفید اونٹنیاں ہیں ان کی ٹانگیں عنبر کی، گردنیں زعفران کی، سر کستوری کے ان کی مہاریں سبز زبرجد کی۔ ان کے مؤذن ان کے نگران ہوں گے جو ان کو آگے سے پکڑ کر چلا رہے ہوں گے اور ان کے ائمہ انہیں پیچھے سے ہانک رہے ہوں گے اور ان کو آباد کرنے والے ان کے ساتھ متعلق ہوں گے وہ قیامت کے عرصات سے تیز بجلی کی طرح گزریں گی اہل موقف کہیں گے: یہ ملائکہ مقربین ہیں اور مرسل انبیاء ہیں۔ ارشاد ہوگا: نہ یہ فرشتے ہیں اور نہ یہ انبیاء ہیں لیکن یہ اہل مسجد ہیں اور نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں“۔ قرآن حکیم میں ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (التوبہ: 18) اللہ کی مساجد کو وہ تعمیر کرتا ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔ یہ ہر مسجد کو عام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم کسی شخص کو مسجد میں آنے جانے کا عادی دیکھو(2) تو اس کے

1۔ صحیح مسلم، نہی اکل الثوم، جلد 1، صفحہ 209　　2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ توبہ، جلد 2، صفحہ 135

لیے ایمان کی گواہی دو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ "یہ پہلے گذر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ مسجد کو بیع وشرا اور دوسری مشغولیتوں سے بچایا جائے گا کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا جو اپنے سرخ اونٹ کے بارے میں پوچھ رہا تھا: "تو اسے کبھی نہ پائے (1)۔ مساجد اس کام کے لیے بنائی گئی ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں"، یعنی اللہ کے ذکر کے لیے، اس حدیث کو امام مسلم نے سلیمان بن بریدہ عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: کس نے میرا سرخ اونٹ پایا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اسے کبھی نہ پائے مساجد اس کے لیے بنائی گئی ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں" (2)۔ یہ دلیل ہے کہ نماز، اذکار، قرات قرآن کے علاوہ مسجد میں کوئی عمل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح تفسیر سے حضرت انس کی حدیث میں آیا ہے فرمایا: ہم مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک ایک اعرابی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا صحابہ کرام نے کہا: رک جا، رک جا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے پیشاب کو نہ روکو اسے چھوڑ دو" (3)۔ صحابہ کرام نے اسے چھوڑ دیا حتی کہ اس نے پیشاب کر لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: "یہ مساجد پیشاب اور غلاظت کے لیے نہیں ہیں یہ اللہ کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے بنائی گئی ہیں" (4)۔ یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرمایا۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا تو وہ پانی کا ایک ڈول لے آیا وہ اس پیشاب کی جگہ پر انڈیل دیا۔ اس کو امام مسلم نے تخریج کیا ہے اور کتاب اللہ سے اس پر یہ قول حق دلالت کرتا ہے: وَ یُذۡكَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن حکم سلمی کو فرمایا: "یہ مساجد لوگوں کے کلام جیسی چیز کے مناسب نہیں یہ تسبیح، تکبیر اور قرآن کی قرات کے لیے بنائی گئی ہیں" (5)۔ یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلم نے طویل حدیث اپنی صحیح میں نقل کی ہے تیرے لیے وہ کافی ہے۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک شخص کی آواز سنی تو فرمایا: یہ کیا آواز ہے کیا تو جانتا ہے تو کہاں (کھڑا) ہے؟ خلف اپنی جگہ سے اٹھے مسجد میں بیٹھے تھے ان کا غلام ان کے پاس کوئی چیز پوچھنے آیا تو خلف اپنی جگہ سے اٹھے مسجد سے باہر آئے پھر اس کے سوال کا جواب دیا۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: میں نے اتنے عرصہ سے مسجد میں دنیا کی کلام نہیں کی۔ پس آج بھی میں نے بات کرنا ناپسند کیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ ترمذی نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے، اس میں خرید وفروخت کرنے اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے لوگوں کے حلقہ بنانے سے منع فرمایا (6)، امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حضرت بریدہ، حضرت جابر اور حضرت انس سے بھی مروی ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث حسن ہے۔ محمد بن اسماعیل نے کہا: میں نے محمد اور اسحاق کو دیکھا اور انہوں نے ان کے علاوہ علماء کا بھی ذکر کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النھی عن نشد الضالۃ فی المسجد، جلد 1، صفحہ 210 — 2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات اذا حصلت فی المسجد، جلد 1، صفحہ 138 — 4۔ ایضاً

5۔ ایضاً، کتاب المساجد، تحریم الکلام فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 203

6۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی کراھیۃ البیع والشراء، حدیث نمبر 296

کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث سے حجت پکڑتے تھے۔ اہل علم کے ایک طائفہ نے مسجد میں خرید وفروخت کو مکروہ کہا ہے؛ احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ایک قوم کے پاس آئے وہ مسجد میں خرید وفروخت کر رہے تھے۔ آپ نے اپنی چادر کا چھوٹا بنالیا اور انہیں مارنے لگے اور فرمایا: اے سانپوں کی اولاد! تم نے اللہ کے گھروں کو بازار بنالیا ہے، یہ تو آخرت کا بازار ہے۔ میں کہتا ہوں: ہمارے بعض علماء نے مسجد میں بچوں کو پڑھنا بھی مکروہ کہا ہے انہوں نے کہا: یہ بیع (خرید وفروخت) کے باب سے ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب تعلیم اجرت کے ساتھ ہو اگر بغیر اجرت کے ہو تو دوسری وجہ سے ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بچے غلاظتوں اور گندگیوں سے نہیں بچتے۔ یہ چیز مسجد کی نظافت کو قائم نہیں رکھتی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کو صاف، ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی مساجد سے بچوں اور پاگلوں کو دور کرو اور اپنی تلواروں کا سونتنا، حدود قائم کرنا، اپنی آوازوں کو بلند کرنا، جھگڑا کرنا مساجد سے دور رکھو اور جمعہ کے دن ان میں خوشبو کی دھونی لگاؤ اور طہارت خانے ان کے دروازوں پر (باہر) بناؤ" (1)۔ اس کی سند میں علاء بن کثیر دمشقی ہے جو بنی امیۃ کا غلام ہے وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابو احمد بن عدی حرانی حافظ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ ابو احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی حدیث سے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے فرمایا: میں نے عصر کی نماز امیر المومنین حضرت عثمان کے ساتھ پڑھی انہوں نے مسجد کے کونے میں ایک درزی دیکھا آپ نے اسے مسجد سے نکالنے کا حکم دیا آپ سے عرض کی گئی: اے امیر المومنین! یہ مسجد کی صفائی کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے اور کبھی کبھی پانی چھڑکتا ہے۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "کہ اپنی مساجد سے اپنے کاریگروں کو دور رکھو"۔ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اس کی سند میں محمد بن مجیب ثقفی ہے وہ ذاہب الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں جو حدیث بھی وارد ہے اگرچہ اس کی سند لین ہے وہ معنی صحیح ہے۔ اور اس کی صحت پر دلیل وہ ہے جو پہلے ہم نے ذکر کیا ہے۔ بعض تابعین اہل علم سے مسجد میں خرید وفروخت کی اجازت مروی ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد میں اشعار پڑھنے کی رخصت بھی کئی احادیث میں مروی ہے۔ میں کہتا ہوں: رہا مسجد میں اشعار پڑھنا تو اس میں اختلاف ہے، کچھ مطلقاً منع کرنے والے ہیں کچھ مطلقاً جائز قرار دینے والے ہیں لیکن بہتر تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ شعر کو دیکھا جائے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ثنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف یا اللہ اور اس کے رسول کے دفاع کے مفہوم پر مبنی ہے جیسے حضرت حسان کے اشعار تھے یا ان اشعار میں کوئی وعظ ونصیحت ہو دنیا سے عدم دلچسپی اور اس سے کم حاصل کرنے کا ذکر ہو تو وہ اشعار مساجد اور دوسری جگہ پر پڑھنا اچھا ہے جیسے:

طَوِّقِي يا نفسُ كي أقصد فردا صمدا　　وذريني لست أبغي غير ربي أحدا

فهو أنسي وجليسي ودع الناس فما　　إن تجدي من دونه ملتحدا

اور جو اشعار ایسے نہ ہوں وہ جائز نہیں کیونکہ اکثر اشعار فواحش، جھوٹ، باطل کی تزیین سے خالی نہیں ہوتے اگر سلامت بھی ہوں تو کم از کم لغو اور حذر ضرور ہوتا ہے مساجد اس سے پاک ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، ما یکرہ فی المساجد، جلد 1، صفحہ 55

اَنْ تُرْفَعَ: کبھی مسجد میں شعر پڑھنا جائز ہوتا ہے جیسے قائل کا قول ہے:

کَفحلِ العَذاب الفَرْدِ یضربه النَّدی　　تَعَلَّی النَّدی فی متنه و تحدّرا

ایک اور شاعر نے کہا:

إذا سقط السماء بأرض قوم　　رَعَیناہ وان کانوا غِضابًا

اس قسم کے اشعار اگرچہ ان میں حمد وثنا نہیں ہے لیکن جائز ہیں کیونکہ یہ فواحش اور جھوٹ سے خالی ہیں۔ مزید جائز اشعار کا ذکر سورۃ الشعراء میں آئے گا جس میں عقلمند کے لیے کفایت ہے۔ دار قطنی نے ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کلام ہے اس کا اچھا اچھا ہے اور اس کا قبیح، قبیح ہے'' (1) اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس کو سنن میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: امام شافعی کے اصحاب یہ کلام امام شافعی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں امام شافعی کے علاوہ اس کے ساتھ کسی نے کلام نہیں کی۔ گویا وہ ان احادیث پر آگاہ نہ تھے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 8۔ رہا مسجد میں آواز کو بلند کرنا تو اگر آواز بلند کرنے والے کی کوئی مصلحت ہو تو اس کو اس کے ارادہ کے خلاف بدؤ عادی جائے گی اس کی وجہ حضرت بریدہ کی حدیث ہے جو گزر چکی ہے اور حدیث ابو ہریرہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کسی شخص کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز تلاش کرتے ہوئے سنے تو وہ اسے کہے: اللہ تعالیٰ وہ تجھ پر نہ لوٹائے، کیونکہ مساجد اس مقصد کے لیے نہیں ہیں'' (2)۔ یہی امام مالک اور ایک جماعت کا نظریہ ہے حتیٰ کہ انہوں نے مسجد میں آواز بلند کرنے کو مکروہ کہا ہے خواہ علم وغیرہ کے لیے ہو۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور محمد بن مسلمہ مالکی نے خصومت اور علم کے لیے مسجد میں آواز بلند کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ لوگوں کی مجبوری ہے۔ یہ ظاہر حدیث کے مخالف ہے اور ان کا یہ کہنا کہ یہ لوگوں کی مجبوری ہے یہ درست نہیں ہے، بلکہ دو وجوہ کی بنا پر ان کے لیے بچنا ممکن ہے، (۱) مسجد میں وقار اور حرمت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، دل سے اس کا احترام کرنا اور اس کی نقیض سے بچنا۔ (۲) اگر کوئی مجبوری ہو تو ان امور کے لیے علیحدہ جگہ بنا لینی چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا آپ نے ایک رحبۃ بنایا تھا جس کو البطیحاء کہا جاتا تھا جو کلام کرنے یا شعر پڑھنے کا ارادہ کرے یعنی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو وہ اس رحبۃ کی طرف نکل جائے۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھنا ناپسند کرتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے مسجد سے باہر ایک رحبۃ (تھلا) بنایا تھا۔

مسئلہ نمبر 9۔ جس مرد یا عورت کو خواہ وہ مسافر یا جس کا گھر ہی نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر مسجد میں سونا جائز ہے ابو قلابہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے عکل قبیلہ کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو وہ صفہ میں رہتے تھے۔

1۔ سنن دار قطنی، عید و الواحد یوجد العمل، جلد 2، صفحہ 155

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، النھی من انشاد الضوال فی المسجد، جلد 1، صفحہ 56

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر نے کہا: اصحاب صفہ فقراء تھے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوتے تھے وہ نوجوان، کنوارے تھے ان کے گھر والے نہیں تھے۔ امام بخاری کے لفظ ہیں اور انہوں نے ایک عنوان باندھا ہے مسجد میں عورت کا سونا۔ اور اس کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے جو اس کالی عورت کے بارے میں ہے جس پر اس کے مالکوں نے ہار چوری کرنے کی تہمت لگائی تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کا خیمہ یا جھونپڑی مسجد میں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح کے رات گزرانے کی جگہ چالیس سال مسجد ہی رہی۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام مسلم نے ابو حمید سے یا ابو اسید سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ یہ پڑھے(1) اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتك۔ اور جب باہر نکلے تو وہ یہ پڑھے: اللّٰھم إنی أسئلك من فضلك'' ابوداؤد نے بھی اس کو اسی طرح تخریج کیا ہے مگر انہوں نے یہ زائد نقل کیا ہے کہ ''جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام اور درود پڑھے(2) پھر کہے: اللھم افتح لی۔۔۔ الخ'' ابن ماجہ نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے: باسم الله والسّلام علی رسول الله اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك اور جب باہر نکلتے تو یہ کہتے: باسم الله والسّلام علی رسول الله اللّٰھم اغفرلی ذنوبی و افتح لی ابواب رحمتك(3) (اور جب باہر نکلتے تو یہ کہتے، باسم الله والصّلوٰة علی رسول الله اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك وفضلك) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے(4) اور یہ کہے: اللھم افتح لی ابواب رحمتك اور جب مسجد سے باہر نکلے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرے اور کہے: اللھم اعصمنی من الشیطان الرجیم، ابوداود نے حیوہ بن شریح سے روایت کیا ہے فرمایا میں عقبہ بن مسلم سے ملا تو اس نے مجھے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ ''جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو یہ کہے(5) اعوذ بالله العظیم وبوجهه الکریم و سلطانه القدیم من الشیطان الرجیم، تو عقبہ بن مسلم نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: جب آدمی یہ کہتا ہے تو شیطان کہتا ہے: وہ مجھ سے آج سارا دن محفوظ ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 11۔ مسلم نے ابو قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے''(6) اور ان سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: ''میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ فرمایا میں بیٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے کونسی چیز مانع تھی(7)، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا کہ آپ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، تو میں بھی

1۔ صحیح مسلم، مایقول اذا دخل المسجد، جلد 1، صفحہ 248

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، الدعاء عند دخول المسجد، جلد 1، صفحہ 56　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، مایقول رجل عند دخوله المسجد، جلد 1، صفحہ 67

6۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرها، جلد 1، صفحہ 248　7۔ ایضاً

بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعت نماز پڑھ لے"۔ علماء نے فرمایا: مسجد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فضلیت بنائی جس کی وجہ سے وہ دوسرے گھروں سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ نہ بیٹھے حتی کہ نماز پڑھ لے۔ عام علماء کا خیال یہ ہے کہ رکوع کا امر استحباب اور ترغیب کے لیے ہے۔ داؤد اور اس کے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ یہ قول باطل ہے اگر اس طرح ہوتا جیسا انہوں نے کہا ہے تو پھر بے وضو آدمی کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہوتا حتی کہ وہ وضو کر لیتا میری معلومات کے مطابق اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابراہیم بن یزید نے اوزاعی سے انہوں نے یحیٰی بن ابی کثیر سے انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعتیں ادا کرے اور جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں داخل ہو تو وہ نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعتیں ادا کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں اس کی دو رکعتوں کو خیر بنا دے گا"۔ یہ حدیث تو مسجد اور گھر کے درمیان برابری کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ذکر ایسی زیادتی ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ یہ امام بخاری نے فرمایا ہے اس میں قتادہ کی حدیث صحیح ہے جو امام مسلم کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہے اور یہ ابراہیم میں نہیں جانتا کہ سوائے سعد بن عبد الحمید کے کسی نے ان سے روایت کیا ہو۔ اور میں ان کی صرف یہی ایک حدیث جانتا ہوں؛ یہ ابو محمد عبد الحق کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ سعید بن زبان نے روایت کیا ہے فرمایا مجھے میرے باپ نے بتایا انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے انہوں ابو ہند سے روایت کیا فرمایا: تمیم داری شام سے مدینہ طیبہ کی طرف قنادیل، زیتون کا تیل اور عمدہ بٹی ہوئی رسیاں اٹھا کر لے آئے۔ وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو اتفاق سے جمعہ کی رات تھی آپ نے اپنے غلام ابو البزاء کو حکم دیا کہ انہیں جلا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے تو وہ ان قندیلوں کی وجہ سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "یہ کس نے کیا ہے؟" (1) لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! تمیم داری نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: "تو نے اسلام کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھ پر دنیا و آخرت کو منور فرمائے اگر میری بیٹی ہوتی تو میں تیرا اس سے نکاح کر دیتا" حضرت نوفل بن حارث نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میری بیٹی ہے جس کو مغیرہ بنت نوفل کہا جاتا ہے آپ اس کے ساتھ اپنا ارادہ پورا کر لیں تمیم کا نکاح میری بیٹی سے کر دیں۔ حدیث کا راوی سعید کا باپ زبان ہے یہ زاء کے فتحہ اور باء کے فتحہ اور تشدید کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ سعید کا ذکر علیحدہ کیا جاتا ہے اور وہ ابو عثمان سعید بن زبان بن قائد بن زبان بن ابی ہند ہے، ابو ہند بنی بیاضہ کا غلام تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنے لگاتا تھا۔ اور حدیث میں القُط کا لفظ آیا ہے یہ القِاط کی جمع ہے اس کا معنی رسی ہے گویا یہ القماط سے مقلوب ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا: سب سے پہلے مسجد میں جس نے قنادیل روشن کیں وہ تمیم داری تھے (2)۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مسجد میں چراغ جلایا جب تک روشنی رہتی ہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے استغفار کرتے ہیں مسجد کے غبار کو صاف کرنا

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الصلوٰۃ، متابعۃ الامام، جلد 2، صفحہ 227، حدیث 2406　　2۔ ابن ماجہ، باب تطهیر المساجد و تطییبها، 751

آہو چشم موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے"۔ علماء نے فرمایا: مستحب ہے کہ اس گھر کو قنادیل لٹکا کر اور اس میں شمعیں جلا کر منور کیا جائے جسمیں قرآن پڑھا جاتا ہو اور رمضان کے مہینہ میں مسجد کی روشنیوں میں اضافہ کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ، علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ تسبیح کرنے والوں کا وصف بیان کر رہا ہے ان سے کون مراد ہیں؟ بعض علماء نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر کو ہر وقت نگاہ میں رکھنے والے اللہ کی رضا طلب کرنے والے ہیں جنہیں نماز سے اور اللہ کے ذکر سے امور دنیا میں سے کوئی چیز مشغول نہیں کرتی، بہت سے صحابہ کرام نے کہا: یہ آیت ان بازار میں کاروبار کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جب نماز کی آذان کی آواز سنتے تھے تو ہر کام چھوڑ دیتے تھے اور مسجد کی طرف جلدی کرتے تھے۔ سالم بن عبد اللہ نے بازار والوں کو دیکھا وہ نماز کی طرف آ رہے تھے آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنکا اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد سے ارادہ فرمایا: لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، عبد اللہ بن عامر، عاصم نے ابوبکر کی روایت میں اور حسن نے یسبح لہ فیھا مجہول کا صیغہ پڑھا ہے (1)۔ نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابو عمرو، اور حمزہ یسبح باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح ابو عمرو نے عاصم سے روایت کیا ہے اور جنہوں نے یسبح مجہول کا صیغہ پڑھا ہے وہ دو معانی کی بنا پر ہے ایک یہ کہ رجال کا رفع فعل مضمر کے ساتھ ہے جس پر ظاہر فعل دلالت کرتا ہے معنی یہ ہوگا یسبحہ رجال۔ اس بنا پر الاصال پر وقف ہوگا سیبویہ نے اس کی مثال ذکر کی ہے:

لِیُبْكَ یَزِیْدُ ضَارِعٌ لخصومة و مُخْتَبِطٌ مما تُطِیحُ الطَّوَائِحُ

اس کا مطلب ہے یبکیہ ضارع اس بنا پر تو کہتا ہے: ضرب زید عمرو اس بنا پر کہ ضربہ عمرو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رجال کو رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے۔ اس کی خبر، فِیْ بُیُوْتٍ ہے یعنی فی بیوت أذن اللہ أن ترفع رجال اور یسبح، ترفع کی ضمیر سے حال ہے گویا فرمایا: أن ترفع مسبحا لہ فیھا اور اس تقدیر پر الاصال پر وقف نہ ہوگا۔ اور جنہوں نے یسبح معروف کا صیغہ پڑھا ہے انہوں نے الاصال پر وقف نہیں کیا کیونکہ یسبح، رجال کے لیے فعل ہے اور فعل فاعل کے لیے مجبور ہوتا ہے اس میں اضمار نہیں ہے، الغدو الاصال پر سورۂ اعراف کے آخر میں کلام گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا اس کا معنی ہے نماز پڑھتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن میں تسبیح کا لفظ صلاۃ کے لیے آیا ہے اور اس پر دلیل بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ کا ارشاد ہے یعنی صبح اور شام۔ اکثر مفسرین نے اس سے فرضی نماز مراد لی ہے یعنی الغدو سے مراد صبح کی نماز ہے اور الأصال سے مراد ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں کیونکہ الاصال کا اسم ان تمام نمازوں کو جمع کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ ابو داؤد نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص فرضی نماز کے لیے گھر سے باوضو نکلا اس کا اجر احرام باندھنے والے حاجی کے اجر کی طرح ہے اور جو چاشت کی نماز کے لیے نکلا اور اسے کھڑا نہیں کیا مگر چاشت کی نماز نے تو اس کا اجر عمرہ کرنے والے کے اجر کی طرح ہے اور نماز کے پیچھے نماز پڑھنا (جن کے

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 386

درمیان لغو نہ ہو) علیین میں مکتوب ہے"۔ اور حضرت بریدہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: "تاریکیوں میں مساجد کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت دو" (1)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جو مسجد کی طرف صبح گیا یا شام کو گیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمان نوازی کرتا ہے جب بھی صبح جاتا ہے یا شام کو جاتا ہے (2)۔ اور غیر صحیح میں ہے تو وہ اس کی عزت و کرامت میں کوشش کرتا ہے؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے (3) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے گھر میں طہارت حاصل کی پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف چلا تاکہ اللہ کے فرائض میں سے ایک فریضہ ادا کرے تو اس کے ایک قدم سے اس کا گناہ گرتا ہے اور دوسرے قدم سے اس کا درجہ بلند ہوتا ہے"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس کی گھر کی نماز اور بازار کی نماز پر بیس سے زائد درجہ ثواب زیادہ رکھتا ہے (4) یہ اس لیے ہے کہ ان میں سے کوئی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے اور اسے صرف نماز ہی ادھر لے کر آتی ہے وہ صرف نماز کا ہی ارادہ کرتا ہے پس جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے جب تک اسے نماز روکے ہوئے ہوتی ہے اور فرشتے تم میں سے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی اس جگہ بیٹھا رہتا ہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہوتی ہے فرشتے کہتے ہیں: اللّٰھم أرحمه اللّٰھم اغفرله اللّٰھم تب علیه" اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی مغفرت کر، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما، یہ فرشتے کہتے رہتے ہیں جب تک بے وضو نہیں ہوتا" ایک روایت میں ہے پوچھا: حدث سے کیا مراد ہے (5)؟ فرمایا: "آہستہ سے ہوا خارج کرنا یا بلند آواز سے ہوا خارج کرنا"۔ حکیم بن زریق نے کہا: سعید بن مسیب سے پوچھا گیا کیا نماز جنازہ میں حاضر ہونا تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا مسجد میں بیٹھنا؟ انہوں نے فرمایا: جو نماز جنازہ پڑھتا ہے اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے اور جو اس کے دفن ہونے تک ساتھ رہتا ہے اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے اور مسجد میں بیٹھنا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے کیونکہ ملائکہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ حکم بن عمیر صحابی رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا میں مہمان کی طرح ہو جاؤ مساجد کو گھر بناؤ اپنے دلوں کو رقت و نرمی کا عادی بناؤ، تفکر اور رونا زیادہ کرو تمہاری خواہشات تم پر مختلف نہ ہوں تم وہ بناتے ہو جس میں تم نے رہنا نہیں ہے اور تم وہ جمع کرتے ہو جو تم کھاتے نہیں ہو اور تم وہ امیدیں رکھتے ہو جو تم پاتے نہیں ہو"۔ حضرت ابودرداء نے اپنے بیٹے کو فرمایا: مسجد تیرا گھر ہونا چاہیے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "مساجد متقین کے گھر ہیں اور مسجد جس کا گھر ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت و راحت اور پل صراط سے گزرنے کا ضامن ہو جاتا ہے" ابو صادق ازدی نے شعیب حجاب کی طرف لکھا کہ مساجد

1۔ سنن ابن ماجہ، الدعاء عند دخول المسجد، جلد 1، صفحہ 57۔ ایضاً، ابوداؤد، باب ما جاء فی المشی الی الصلاۃ فی الظلام، حدیث 474

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، فضل الجلوس فی مسجد بعد الصبح، جلد 1، صفحہ 235

3۔ ایضاً، فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ فی جماعۃ، جلد 1، صفحہ 235 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

کو لازم پکڑو کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ یہ انبیاء کی مجالس تھیں۔ ابو ادریس خولانی نے کہا: مساجد نیک اور معزز لوگوں کی مجالس ہیں۔ مالک بن دینار نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں پھر میں مساجد کو آباد کرنے والوں، قرآن پڑھنے والوں اور اسلام کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں تو میرا غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''آخر زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے وہ مساجد میں آئیں گے وہ ان میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے ان کا ذکر دنیا اور اس کی محبت ہوگی پس تم ان کے ساتھ مت بیٹھو اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں''۔ ابن مسیب نے کہا: جو مسجد میں بیٹھتا ہے وہ اپنے رب کا جلیس ہوتا ہے پس اسے اچھی بات کہنی چاہیے۔ مساجد کی تعظیم اور ان کی حرمت سے اتنا گزر چکا ہے جسمیں کفایت ہے۔ بعض علماء نے مسجد کی تعظیم میں پندرہ خصلتوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: مسجد کی حرمت سے ہے کہ داخل ہوتے وقت سلام کرے اگر لوگ مسجد میں بیٹھے ہوں، اگر مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اور بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کرے اس میں خرید وفروخت نہ کرے، اس میں تیر اور تلوار نہ سونتے، اس میں گم شدہ چیز تلاش نہ کرے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور جگہ کے لیے جھگڑا نہ کرے، صف میں کسی پر تنگی نہ کرے، کسی نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، نہ مسجد میں تھوکے نہ ناک صاف کرے اور بلغم نہ ڈالے، اپنی انگلیوں کے چٹخارے نہ نکالے، اپنے جسم کے ساتھ نہ کھیلے، مسجد کو نجاسات، بچوں اور مجنونوں سے پاک رکھے، اس میں حدود قائم نہ کرے، کثرت سے اللہ کا ذکر کرے ذکر الٰہی سے کبھی غافل نہ ہو۔ جس نے یہ خصال پورے کیے تو اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لیے شیطان رجیم سے محفوظ قلعہ بن جائے گی۔ خبر میں ہے ''مسجد، لوگوں کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھائی گئی مسجد نے لوگوں کی شکایت کی تھی کیونکہ لوگ اس میں دنیا کی باتیں کر رہے تھے'' دارقطنی نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرب قیامت سے یہ ہے کہ چاند سامنے نظر آئے گا تو کہا جائے گا: یہ تو دو راتوں کا ہے اور مساجد کو راستے بنایا جائے گا اور اچانک موت ظاہر ہوگی''۔ اس کو عبد الکبیر بن معافی نے شریک سے انہوں نے عباس بن ذریح سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے شعبی سے مرسلا روایت کی ہے۔ واللہ اعلم۔ ابو حاتم نے کہا: عبد الکبیر بن معافی ثقہ ہے اور ابدال میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ اور امام بخاری میں حضرت ابو موسیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جو ہماری مساجد اور ہمارے بازار سے تیروں کے ساتھ گزرے تو وہ ان کے بھالوں سے پکڑے تاکہ کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے'' (1) امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے'' (2)۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں سے راستے سے اذیت دینے والی چیز کا ہٹانا ہے اور ان کے برے اعمال سے مسجد میں رینٹ ڈالنا ہے جس کو دفن نہ کیا گیا ہو'' (3)۔ ابو داؤد نے فرج

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب المرور فی المسجد، جلد 1، صفحہ 64

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النہی عن بصاق فی المسجد فی الصلوٰۃ وغیرھا، جلد 1، صفحہ 207

3۔ ایضاً

بن فضالہ سے انہوں نے ابو سعد خمیری سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے واثلہ بن اسقع کو مسجد دمشق میں دیکھا انہوں نے چٹائی پر تھوکا پھر پاؤں سے اسے صاف کر دیا۔ ان سے پوچھا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ فرج بن فضالہ ضعیف ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں چٹائیاں نہیں تھیں۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تھوکتے تھے اور اپنے بائیں جوتے سے صاف کر دیتے تھے۔ شاید واثلہ نے اس کا اردہ کیا ہو اور چٹائی کو اس پر محمول کیا ہو۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رِجَالٌ خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کرنا دلیل ہے کہ عورتوں کا مساجد میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ ان میں نہ جمعہ ہے اور نہ جماعت ہے۔ ان کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے۔ ابوداؤد نے حضرت عبد اللہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''عورت کی اپنے گھر میں نماز اس کی حجرے کی نماز سے افضل ہے اور اپنے کمرے میں نماز گھر کے صحن کی نماز سے افضل ہے'' (1)۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَّا تُلْهِيهِمْ انہیں مشغول نہیں کرتی، تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ خصوصی طور پر تجارت کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ انسان کو نماز سے بہت زیادہ غافل کرنیوالی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیع کا ذکر دوبارہ کیوں کیا جب کہ تجارت، بیع کو بھی شامل تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجارۃ سے مراد شرا (خریدنا) ہے کیونکہ آگے بیع آیا ہوا ہے اس کی مثال یہ ارشاد ہے: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا (الجمعہ: 11) یہ واقدی کا قول ہے کلبی نے کہا: التجار سے مراد باہر سے اشیاء لانے والے مسافر ہیں اور الباعۃ سے مراد مقامی بیچنے والے ہیں۔ عَن ذِكْرِ اللَّهِ اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطا نے کہا: اس سے مراد نماز میں حاضر ہونا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور فرمایا: اس سے مراد فرض نماز ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے مراد آذان ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا ہے، بعض نے کہا: اس سے مراد اسماء حسنیٰ ہیں یعنی وہ اس کی وحدانیت اور بزرگی بیان کرتے ہیں۔ یہ آیت بازار میں تجارت کرنے والوں کے متعلق نازل ہوئی؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سالم نے کہا: حضرت عبد اللہ بن عمر بازار سے گزر رہے تھے لوگ اپنی دوکانیں بند کر رہے تھے اور جماعت میں حاضری کے لیے اٹھے تھے آپ نے فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ ان کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے ''یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں سفر کرتے ہیں اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرتے ہیں'' بعض علماء نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمی تھے ایک بیع کرتا تھا جب وہ آذان سنتا تھا تو اسے اٹھاتا نہیں تھا اور دوسرا شخص لوہار تھا وہ تجارت کے لیے تلواریں بناتا تھا جب وہ آذان سنتا اور اس کا ہتھوڑا، آئرن پر ہوتا تھا تو وہ اسے وہاں ہی رہنے دیتا تھا۔ اگر وہ اسے اٹھائے ہوئے ہوتا تھا تو اسے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیتا تھا یہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے اور جو ان کی اقتدا کرنے والے ہیں ان کی ثنا کرتے ہوئے نازل کی ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِقَامِ الصَّلَاةِ یہ دلیل ہے کہ عَن ذِكْرِ اللَّهِ سے مراد نماز نہیں ہے ورنہ تکرار

1۔ سنن ابی داؤد، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، جلد 1، صفحہ 84۔ ایضاً، حدیث 483، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوگا۔ کہا جاتا ہے: اقام الصلوۃ، اقامۃ اصل میں مصدر اقواما تھا واؤ کی حرکت نقل کر کے قاف کو دی گئی پھر واؤ کو الف سے بدلا گیا دو الف اکٹھے ہوئے تو ایک کو حذف کیا گیا اور ھاء کو ثابت کیا تاکہ حذف ہوتے ہوتے لفظ ختم ہی نہ ہو جائے۔ جب مضاف کیا گیا تو مضاف کو ھاء کے قائم مقام رکھا گیا پس اس کا حذف جائز ہوا اگر مضاف نہ ہو تو ھاء کا حذف کرنا جائز نہیں کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ تو کہتا ہے: وعد عدۃ و وزن زنۃ ھاء کا حذف جائز نہیں کیونکہ تو نے واؤ حذف کر دی ہے کیونکہ اصل میں ودعۃ اور وزنۃ تھا، جب مضاف کیا گیا تو ھاء حذف کی گئی۔ فراء نے یہ شعر لکھا ہے:

اِنِ الخَلِیطَ أَجَدُّوا البَیْنَ فَانْجَرَدُوا و أخلفوك عِدَالأمرِ الذی وَعَدوا(1)

مراد عدۃ ہے۔ ھاء کو حذف کیا گیا جب مضاف کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز دنیا کی مساجد کو لایا جائے گا گویا سفید عمدہ اونٹنیاں ہیں جن کے پاؤں عنبر کے ہیں، گردنیں زعفران کی ہیں، ان کے سر کستوری سے ہیں، ان کی مہاریں سبز زبرجد سے اور ان کے نگران اور ان میں آذان دینے والے ان کی قیادت کر رہے ہوں گے، ان کے ائمہ ان کو پیچھے سے چلا رہے ہوں گے، ان کو آباد کرنے والے ان سے چمٹے ہوئے ہوں گے وہ قیامت کے عرصات سے تیز رفتار بجلی کی طرح گذریں گے اہل موقف کہیں گے: یہ مقرب فرشتے ہیں یا مرسل انبیاء ہیں۔ ارشاد ہوگا: نہ یہ مقرب فرشتے ہیں نہ انبیاء ہیں لیکن یہ اہل مساجد ہیں اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اسلام میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اسلام کے نام کے اور قرآن میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اس کے خط کے۔ لوگ مساجد کو تعمیر کریں گے اور یہ الله کے ذکر سے خالی ہوں گی اس زمانے کے برے ترین لوگ علماء ہوں گے ان سے فتنہ نکلے گا اور ان کی طرف لوٹے گا یعنی وہ جانتے ہوں گے اور جو واجبات ہوں گے ان پر عمل نہیں کرتے ہوں گے۔

مسئلہ نمبر19۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ بعض علماء نے کہا: اس سے مراد فرضی زکوٰۃ ہے؛ یہ حسن کا قول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں زکوٰۃ سے مراد الله تعالیٰ کی طاعت اور اخلاص ہے (2) کیونکہ ہر مومن کا مال نہیں ہوتا۔ يَخَافُوْنَ يَوْمًا یعنی قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ یعنی روز حشر ہولناکی اور دہشت سے گھبرا جائیں گے۔ التقلب کا معنی ہے پھرنا اور اس سے مراد کفار کے دل اور ان کی آنکھیں ہیں دل اپنی جگہ سے نکل کر گلوں تک آجائیں گے۔ پھر یہ اپنی جگہوں پر واپس نہیں جائیں گے۔ بعض علماء نے کہا: دل نجات کی امید اور ہلاکت کے خوف کے درمیان گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ اور آنکھیں پھٹی پھٹی دیکھ رہی ہوں گی کہ کس طرف سے انہیں ان کے اعمال نامے دیئے جائیں گے اور کس طرف سے انہیں پکڑا جائے گا؟ بعض علماء نے کہا: شک کرنے والوں کے دل اس شک سے پھر جائیں گے جس میں پہلے تھے اسی طرح ان کی آنکھیں یقین کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ یہ اس قول کی مثل ہے: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ (ق:22) جس کو وہ دنیا میں گمراہی دیکھتا تھا اب اسے ہدایت دیکھے گا

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 17، صفحہ 176 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 186

مگر آخرت میں انہیں یہ فائدہ نہ دے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کے دل جہنم کے انگاروں پر پھریں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوم تقلب وجوھھم فی النار، وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (الانعام: 110) اور جنہوں نے کہا کہ آگ کے شعلوں پر ان کے دل پھریں گے۔ بعض نے کہا: آگ کے شعلے ایک مرتبہ انہیں جھلسا دیں گے اور پھر انہیں پکا دیں گے۔ بعض نے کہا: دل مضطرب ہوں گے آنکھیں قیامت کی ہولناکیوں کو ادھر ادھر دیکھ رہی ہوں گی۔ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا نیکیوں پر جزا کا ذکر فرمایا اور برائیوں پر جزا کا ذکر نہیں فرمایا اگرچہ برائیوں پر بھی سزا ہوگی۔ اس کی دو حکمتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ ترغیب ہے پس رغبت کے ذکر پر اکتفا کیا۔ دوسری یہ کہ یہ اس قوم کی صفت ہے جن کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے۔ اور ان کے صغیرہ گناہ معاف ہوں گے۔ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو دس گنا کر دے گا۔ دوسرا یہ کہ جزا کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا۔ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ وہ اپنی عطا کا حساب کتاب نہیں رکھتا کیونکہ اس کی عطا کی کوئی نہایت بھی نہیں ہے۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا کی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو مسجد بنائے گا وہ کامران ہو جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، اے ابن رواحہ! ہاں، اے ابن رواحہ" (1)۔ عبد اللہ نے عرض کی: اس نے اللہ کے لیے رات نہ گذاری ہو مگر سجدہ کرتے ہوئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں اے ابن رواحہ"۔ فرمایا: "سجع (جملوں کی بناوٹ ردیف، کافیے ملانا) سے رک جاؤ بندے کو طاقت لسان سے زیادہ بری چیز کوئی نہیں دی گئی" یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

"اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے حتی کہ جب (پینے کے لیے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور پاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب تو پورا دیا اس نے اس کا حساب اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ پہلے مومن کی مثال دی تو اب کافر کی مثال دی۔ مقاتل نے کہا: یہ شیبۃ بن ربیعہ بن عبد شمس کے بارے میں نازل ہوئی وہ دین کی تلاش میں رہبانیت اختیار کر چکا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس نے کفر کیا۔ ابوسہل نے کہا: یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ضحاک نے کہا: یہ کافر کے اعمال خیر میں نازل ہوئی جیسے صلہ رحمی، پڑوسیوں کو نفع پہنچانا وغیرہ۔ السراب جو گرمی کی شدت میں دوپہر کے وقت صحرا میں پانی کی طرح نظر آتی ہے مگر وہ زمین سے بلند ہوتا ہے حتی کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان ہو جاتا ہے سراب کو سراب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانی کی طرح چلتا ہے کہا جاتا ہے: سرب الفحل یعنی نر زمین میں چلا۔ اس کو الال بھی کہا جاتا ہے یہ خشکی اور گرمی میں ہوتا ہے پیاسا اس سے دھوکا کھاتا ہے: شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 108

فکنت کمُهرِیقِ الذی فی سِقَائه　　لِرَقْرَاقِ آلٍ فوقَ رابیَةٍ صَلْدِ

اور دوسرے نے کہا:

فلما کففنا الحرب کانت عهودهم　　کلمح سراب بالفلا متالِق (1)

امرأالقیس نے کہا:

أَلَمْ أُنْضِ المَطِيّ بِکُلِّ خَرْقٍ　　أَمَقَّ الطُولِ لَمّاعِ السّراب

القیعة، القاع کی جمع ہے جیسے حیرة، حار کی جمع ہے: یہ ہروی کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: قیعة وقاع واحد ہیں یہ نحاس نے حکایت کیا ہے۔ القاع زمین کا پھیلا ہوا حصہ جس میں کوئی بوٹی نہ ہو اس میں سراب ہوتا ہے یعنی چٹیل میدان اقاع کا اصل معنی وہ پست جگہ ہے جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے اور اس کی جمع قیعان ہے۔ جوہری نے کہا: القاع، ہموار زمین ہے۔ اس کی جمع اقوع، اقواع اور قیعان ہے ماقبل کسرہ کی وجہ سے واؤ، یا سے بدل گئی۔ القیعة، القاع کی مثل ہے یہ بھی واؤ سے ہے بعض نے کہا یہ جمع ہے، یحسبہ الظمان، الظمآن سے مراد پیاسا ہے ما یعنی سراب کو پانی گمان کرتا ہے، حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا یعنی جو اس نے اندازہ لگایا تھا اس نے اسے ایسی زمین میں پایا جس میں پانی نہیں ہوتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے، وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ۔ وہ اللہ تعالیٰ کو تاڑ میں پائے گا فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ اپنے عمل کی جزا۔ امرأالقیس نے کہا:

فولیٰ مُدبِرًا یهوی حَثِیثًا　　وأیقنَ أنّه لاقی الحِسابا

بعض علماء نے فرمایا وہ اپنے عمل کی جزا کے ساتھ اللہ کا وعدہ پائے گا۔ بعض نے کہا: وہ اپنے حشر کے وقت اللہ کا امر پائے گا۔ یہ تمام معانی متقارب ہیں۔ بقعات بھی پڑھا گیا ہے۔ مہدوی نے کہا: عین کے فتحہ کی وجہ سے الف اشباع کا ہونا بھی جائز ہے اور عزۃ و عزھاۃ ہونا بھی جائز ہے یہ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عورتوں کے قریب نہیں جاتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قیعة کی جمع ہو۔ اس بنا پر وصل اور وقف میں تا ہو گی۔ نافع، ابن جعفر اور شیبة سے الظمان بغیر ہمزہ کے مروی ہے ان دونوں سے ہمزہ مشہور ہے کہا جاتا ہے: ظمی یظمأ ظمأ فھو ظمآن اگر تو ہمزہ میں تخفیف کرے تو تو کہے گا: ظمان اور الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا مبتدا ہے۔ اَعْمَالُهُمْ مبتدا ثانی ہے۔ كَسَرَابٍ سے کاف خبر ہے اور پھر جملہ، الَّذِيْنَ کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ اَعْمَالُهُمْ۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا سے بدل ہو۔ یعنی اعمال الذین کفروا کسراب پھر مضاف کو حذف کیا گیا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

"یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 109

اس کے اوپر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل (تہ در تہ) اندھیرے میں ایک دوسرے کے اوپر جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لیے کہیں نور نہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ، اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ایک اور مثال دی یعنی ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں یا تاریکیوں کی طرح ہیں۔ زجاج نے کہا اگر تو چاہے تو سراب سے تشبیہ دے اگر چاہے تو ظلمات سے تشبیہ دے(1)۔ او، اباحت کے لیے ہے جیسا کہ اَوْ كَصَیِّبٍ (البقرہ:19) میں گزر چکا ہے۔ جرجانی نے کہا: پہلی آیت کفار کے اعمال کے ذکر میں ہے اور دوسری ان کے کفر کے ذکر میں ہے ان کے اعمال پر کفر کو عطف کیا کیونکہ کفر بھی ان کے اعمال سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (المائدہ:16) یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کفر سے ایمان کی طرف نکالتا ہے۔ ابوعلی نے کہا: اَوْ كَظُلُمٰتٍ، او کذی الظلمات اور ذی مضاف کے حذف پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ۔ ضمیر کا مرجع محذوف ہے؛ قشیری نے کہا۔ زجاج کے نزدیک تمثیل کفار کے اعمال کے لیے واقع ہوئی ہے۔ ابوعلی کے نزدیک کافر کے لیے واقع ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں فرمایا: یہ کافر کے دل کی مثال ہے۔ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ بعض علماء نے فرمایا: یہ اللجۃ کی طرف منسوب ہے۔ اس سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: من رکب البحر اذا التج فقد برئت منه الذمة۔(2) جو سمندری سفر پر گیا جب وہ موجیں مار رہا تھا تو اس سے ذمہ بری ہے۔ التج الامر کا معنی ہے بڑا ہونا، خلط ملط ہونا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حَسِبَتْهُ لُجَّةً (النمل:44) یعنی جو بہت گہرا ہو۔ لججت السفینۃ یعنی کشتی گہرائی میں چلی گئی۔ اللجۃ لام کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی گہرائی ہے اور اللجۃ لام کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی لوگوں کی آوازیں ہیں۔ کہتا ہے: سمعت لجة الناس میں نے لوگوں کی آوازیں سنیں۔ ابوالنجم نے کہا: فی لجة امسك فلانا عن فلان، التجت الأصوات۔ آوازیں خلط ملط ہوئیں اور شور وغل بڑھا۔ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ اس گہرے سمندر پر ایک موج بلند ہے۔ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ یعنی موج کے اوپر موج ہے اس دوسری موج پر بادل ہے پس موج کا خوف، ہوا کا خوف اور بادل کا خوف جمع ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے یغشاہ موج من بعد موج یعنی ایک موج دوسری موج کے پیچھے آتی ہے حتی کہ گویا وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں یہ زیادہ خوفناک ہوتی ہے جب موجیں متواتر ہوں اور قریب قریب ہوں اور اس موج کے اوپر بادل ہے یہ دو وجوہ سے خوف کے لیے عظیم ہے، ایک یہ کہ اس نے ان ستاروں کو ڈھانپ دیا جن سے راستہ کی ہدایت و راہنمائی حاصل کی جاتی ہے دوسرا یہ کہ ہوا جو بادل کے ساتھ چلتی ہے اور بارش جو اس سے اترتی ہے۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ ابن محیصن اور بزی نے ابن کثیر سے سحاب ظلمات اضافت اور جر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ قنبل نے سحاب تنوین کے ساتھ پڑھا ہے ظلمات جر اور تنوین کے ساتھ۔ باقی قراء نے رفع اور تنوین کے ساتھ۔ مہدوی نے کہا: جس نے من فوقه سحاب ظلمات اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادل ان

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 388
2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 5، صفحہ 271

تاریکیوں کے وقت بلند ہوتا ہے پس اسے ان کی طرف مضاف کیا گیا جیسے کہا جاتا ہے: سحاب رحمة جب بارش کے وقت بلند ہوتا ہے اور جنہوں نے سحاب ظلمات پڑھا ہے تو ظلمات کی جر پہلے ظلمات کی تاکید یا اس سے بدل کی بنا پر ہے اور سحاب مبتدا ہے اور من فوقه خبر ہے اور جنہوں نے سحاب ظلمات پڑھا تو ظلمات مبتدا محذوف کی خبر ہوگی تقدیر یوں ہوگی هی ظلمات او هذه ظلمات۔ ابن انباری نے کہا: مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مکمل نہیں کیونکہ من فوقه سحاب موج کا صلہ ہے اور من فوقه سحاب پر وقف حسن ہے۔ پھر۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ یہ نئی کلام ہے اس معنی پر بھی ظلمات بعضها فوق بعض۔ اہل مکہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ظلمات پڑھا ہے اس معنی پر او کظلمات ظلمات بعضها فوق بعض اس مذہب کی بناء پر السحاب پر وقف حسن نہ ہوگا بعض نے کہا: ان تاریکیوں سے مراد بادل کی تاریکی، موج کی تاریکی، رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ہے۔ پس جو ان تاریکیوں میں ہوتا ہے اسے کچھ نظر نہیں آتا اور نہ ستارہ نظر آتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الظلمات سے مراد سختیاں ہیں یعنی ایک دوسرے کے اوپر سختیاں ہیں۔ بعض نے کہا: الظلمات سے مراد کافر کے اعمال ہیں اور البحر اللجی سے مراد کافر کا دل ہے اور مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ سے مراد جہالت، شک اور حیرت ہے جو کافر کے دل پر چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اور السحاب سے مراد رین، ختم اور مہر ہے جو اس کے دل پر لگی ہوئی ہے؛ یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے یعنی وہ اپنے دل سے نور ایمان کو نہیں دیکھتا جیسے سمندر میں تاریکیوں والا جب اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو وہ اسے دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: کافر، پانچ قسم کی تاریکیوں میں گھومتا رہتا ہے اس کی کلام تاریکی ہے، اس کا عمل تاریکی ہے، اس کا مدخل تاریکی ہے، اس کا مخرج تاریکی ہے اور قیامت کے روز آگ میں تاریکیوں کی طرف جائے گا۔ اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ اِذَاۤ اَخۡرَجَ یَدَهٗ یعنی دیکھنے والا جب اپنا ہاتھ نکالتا ہے۔ لَمۡ یَكَدۡ یَرٰىهَا تو وہ ظلمات کی شدت کی وجہ سے اسے دکھائی نہیں دیتا۔ زجاج اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے لم یرولم یکد؛ یہی حسن کے قول کا معنی ہے اور لَمۡ یَكَدۡ کا معنی ہے اسے دیکھنے کی امید ہی نہ تھی۔ فراء نے کہا: کاد صلہ ہے یعنی اس نے اسے نہیں دیکھا جیسے تو کہتا ہے: ما کدت اعرفه۔ مبرد نے کہا: اس کا مطلب ہے اس نے اسے نہیں دیکھا (1) مگر کوشش کے بعد جیسے تو کہتا ہے: ماکدت أراك من الظلمة۔ یعنی میں تاریکی کی وجہ سے تجھے دیکھ نہ پایا جبکہ اس نے اسے مایوسی اور مشکل کے بعد دیکھ لیا۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے دیکھنے کے قریب ہوا اور دیکھا نہیں جیسے کہا جاتا ہے: کاد العروس یکون امیرا، قریب تھا کہ دولہا امیر بن جاتا۔ کاد النعام یطیر قریب تھا شتر مرغ اڑنے لگے۔ کاد المنتعل یکون راکبا قریب تھا پیدل چلنے والا سوار ہو جاتا۔ نحاس نے کہا: ان اقوال میں سے صحیح قول وہ ہے جس کا معنی ہے رویت قریب نہ ہوئی جب اس کی رویت قریب نہ ہوئی پس اس نے اسے قریب وبعید سے نہیں دیکھا۔ وَ مَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا یعنی اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور نہیں بناتا اس پر معاملات تاریک ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ جس کے لیے دین نہیں بناتا اس کے لیے کوئی دین نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے نور نہیں بنایا جس کے ساتھ وہ قیامت کے روز چلے گا وہ جنت کی طرف ہدایت نہیں پائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 288

ہے: وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (الحدید: 28) زجاج نے کہا: یہ دنیا میں ہے مطلب یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں دی وہ ہدایت یافتہ نہ ہوا۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: یہ آیت عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ زمانہ جاہلیت میں دین تلاش کرتا تھا اور ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا پھر اسلام میں کفر کیا۔ ماوردی نے کہا: یہ شیبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ جاہلیت میں راہب بنا ہوا تھا اون کا لباس پہنتا تھا اور دین طلب کرتا تھا پھر اسلام میں کفر کیا۔ میں کہتا ہوں: یہ دونوں کفر میں تھے بعید نہیں کہ یہ دونوں اور ان کے علاوہ لوگ آیت میں مراد ہوں۔ بعض علماء نے کہا: یہ عبداللہ بن جحش کے بارے میں نازل ہوئی وہ مسلمان ہوا تھا۔ پھر حبشہ کی زمین کی طرف ہجرت کی تھی پھر اسلام قبول کرنے کے بعد نصرانی بن گیا تھا۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے حضرت انس نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے نور سے پیدا کیا اور ابو بکر کو میرے نور سے پیدا کیا۔ عمر اور عائشہ کو ابو بکر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کے مومنین کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کی مومنات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نور سے پیدا کیا جو مجھ سے محبت نہیں کرتا اور ابو بکر، عمر اور عائشہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے لیے نور نہیں ہے'' تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

''کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے، ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ جب آیات کی وضاحت ذکر کی تو حجت و دلائل میں اضافہ کیا اور بیان فرمایا کہ اس کی مصنوعات اپنی تبدیلی کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ ان کا کوئی صانع (بنانے والا) ہے، کمال پر قادر ہے اس کے لیے رسولوں کو بھیجنا ہے اس نے انہیں بھیجا اور معجزات کے ساتھ ان کی تائید فرمائی اور انہوں نے جنت و دوزخ کی خبر دی۔ اَلَمْ تَرَ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس کا معنی الم تعلم ہے اور مراد تمام لوگ ہیں۔ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ، مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد فرشتے ہیں، وَالْاَرْضِ جن وانس، وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ۔ مجاہد وغیرہ نے کہا: صلاۃ انسان کے لیے ہے اور تسبیح دوسری مخلوق کے لیے ہے۔ سفیان نے کہا: پرندوں کے لیے ایسی نماز ہے جس میں رکوع و سجود نہیں ہے(1)۔ بعض نے کہا: پرندوں کا پر مارنا نماز ہے اور ان کی آوازیں تسبیح ہیں؛ یہ نقاش نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 112

حکایت کیا ہے۔ بعض نے کہا: یہاں تسبیح سے مراد مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا اثر نظر آتا ہے۔ صافات کا معنی ہے ہوا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ ایک جماعت نے الطیر کو من پر عطف کی بنا پر مرفوع پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا: والطیر بمعنی مع الطیر بھی جائز ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: قمت وزیدا بمعنی مع زید۔ فرمایا: یہ رفع سے عمدہ ہے، فرمایا: اگر تو کہے قمت أنا و زید تو رفع بہتر ہوگا اور نصب جائز ہوگی۔ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ یہ مفہوم بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی صلاۃ اور تسبیح جانتا ہے یعنی وہ نمازی کی نماز اور تسبیح کرنے والے کی تسبیح کو جانتا ہے اس لیے فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ یعنی اس پر ان کی طاعت اور تسبیح مخفی نہیں ہے۔ اس جہت سے بصریوں اور کوفیوں کے نزدیک فعل کے اضمار کے ساتھ کل پر نصب جائز ہے جس فعل کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے ہر نماز پڑھنے والا اپنی نماز کو جانتا ہے اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے، بعض لوگوں نے کل قد عُلِمَ صلاتہ و تسبیحۃ یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ بعض نحویوں نے ذکر کیا ہے کہ بعض نے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ پڑھا ہے۔ یہ تقدیر ہونا بھی جائز ہے کل قد علمہ اللہ صلاتہ و تسبیحہ تمام کو اللہ تعالیٰ نے اس کی صلاۃ اور تسبیح سکھائی، پس تعلیم سے مراد سمجھانا ہوگا اور مراد خصوص ہے کیونکہ لوگوں میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کو سکھاتے نہیں ہیں۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ ہر استدلال کرنے والے نے اس سے استدلال کیا۔ استدلال کو تعلیم سے تعبیر کیا گیا؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ یہاں صلاۃ بمعنی تسبیح ہے تاکید کے لیے تکرار کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَسَرُّوا النَّجْوَى (الانبیاء: 3) الصلاۃ کو تسبیح کہا جاتا ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ یہ کئی مقام پر پہلے گزر چکا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ لے جاتا ہے بادل کو پھر جوڑتا ہے اس کے (بکھرے ٹکڑوں) کو پھر اسے تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے بارش کو، کہ نکلتی ہے اس کے درمیان سے اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو جس سے چاہتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو، بدلی کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کی، بیشک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ایک اور حجت ذکر فرمائی یعنی کہا: آپ نے اپنے دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ يُزْجِيْ سَحَابًا وہ جہاں چاہتا ہے بادل کو لے جاتا ہے۔ الریح تزجی السحاب ہوا بادل کو چلاتی ہے۔

والبقرۃ تزجی ولدھا گائے اپنے بچے کو چلاتی ہے اسی سے ہے زجا الخراج یزجو زجاء جب خراج لینا آسان ہو(1)۔
نابغہ نے کہا:

إنّي أتيتك من أهلي ومن وطني　　أزجي حُشاشَةَ نفيس مابها رمَقُ

اور اس نے یہ بھی کہا:

أسرَتْ عليه من الجوْزَاءِ سارِيَةٌ　　تُزجي الشَّمالُ عليه جامدَ البَرَدِ

ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ اس کو پیدا کرنے کے بعد اسے جمع کرتا ہے تا کہ وہ مضبوط ہو جائے، مل جائے اور کثیف ہو جائے۔ التالیف میں اصل ہمزہ ہے تو کہتا ہے: تالف اور اس کو یولف واؤ کے ساتھ تخفیفاً پڑھا گیا ہے۔ السحاب واحد ہے لیکن اس کا معنی جمع ہے اسی وجہ سے فرمایا: يُنْشِئُ السَّحَابَ (الرعد:12) اور بین دو چیزوں یا زیادہ چیزوں کے درمیان واقع ہوتا ہے پس یہاں بینہٗ کیسے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بینہٗ یہاں سحاب کی جماعت کے لیے ہے جیسے تو کہتا ہے: الشجر جلست بینہٗ کیونکہ وہ جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے ضمیر واحد ذکر کی؛ یہ معنی فراء نے بیان کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ السحاب واحد ہے اور بینہٗ کہنا جائز ہے کیونکہ وہ بہت سے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے شاعر نے کہا: بين الدخول وحومل۔ دخول پر بین داخل کیا ہے حالانکہ وہ واحد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت سے مقامات پر مشتمل ہے جیسے تو کہتا ہے: مازلت أدور بين الكوفة۔ میں کوفہ میں گھومتا رہا کیونکہ کوفہ بہت سے مکانات ہیں؛ یہ زجاج وغیرہ کا قول ہے۔ اصمعی کا خیال ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور وہ روایت کرتا تھا بين الدخول وحومل۔ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا۔ تہہ در تہہ کر دیتا ہے، بعض کو بعض سے جوڑ دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ (الطور) الرکم کا معنی ہے کسی چیز کا جمع کرنا اسی سے کہا جاتا ہے: ركم الشيء يركمه ركما جب وہ کسی چیز کو جمع کر دے اور بعض کو بعض پر ڈال دے۔ ارتكم الشيء وتراكم جب جمع ہو جائے الرکمۃ جمع شدہ مٹی الرکام ریت کا ٹیلہ اسی طرح بادل وغیرہ مرتکم الطریق راستہ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ۔ الودق کے بارے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد بجلی ہے؛ یہ ابو الاشہب عقیلی کا قول ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

أثرنا عجاجة و جرجن منها　　خروج الوَدْق من خَلَل السحاب (2)

دوسرا معنی ہے بارش؛ یہ جمہور کا قول ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

فلا مُزْنة ودقت ودقها　　ولا أرض أبقَلَ إبقالَها (3)

امراء القیس نے کہا:

فد معهما وَدْقٌ و سَحٌّ ودِيمَةٌ　　وسَكْبٌ وتَوْ كَافٌ و تَنْهَمِلانِ

کہا جاتا ہے: وَدَقَت السحابة فهي وادقة ووَدَقَ المطر يَدِق وَدْقًا اس کا مطلب ہے بارش برسی ودقت اليه میں اس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 112　2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 113　3۔ احکام القرآن للطبری، جز 17، صفحہ 183

کے قریب ہوا۔ ضرب المثل ہے ودق العیر الی الماء۔ اونٹ پانی کے قریب ہوا۔ یہ مثال اس شخص کے لیے دی جاتی ہے جو کسی چیز کے حرص کی وجہ سے اس کے لیے جھک جاتا ہے۔ اسم ظرف مودق۔ ودقت به ودقا کا معنی ہے میں نے اس سے انس حاصل کیا جس جانور کے سم ہوں جب وہ نر کا ارادہ کرے نزکو چاہے۔ ودقت تدق ودقا او دقت واستودقت۔ اتان (گدھی) ودوق و فرس ودوق ودیق بھی اور وادق بھی استعمال ہوتا ہے الودیقة گرمی کی شدت کو کہتے ہیں خلال، خلل کی جمع ہے جیسے جبل کی جمع جبال ہے اس سے مراد سوراخ اور بادل سے بارش کے نکلنے کی جگہ ہے۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ کعب نے کہا: بادل بارش کی چھانی ہے۔ اگر بادل نہ ہوتا تو پانی آسمان سے اکٹھا اترتا اور جس جگہ پر گزرتا اسے خراب کر دیتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابو العالیہ نے کہا: من خلله یعنی مفرد پڑھا ہے۔ تو کہتا ہے: کنت فی خلال القوم یعنی میں ان کے درمیان تھا۔ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان میں برف کے پہاڑ پیدا کیے وہ ان سے اولے نازل فرماتا ہے۔ اس میں اضمار ہے یعنی ینزل من جبال البرد بردا برف کے پہاڑوں سے برف نازل کرتا ہے۔ مفعول محذوف ہے۔ اسی طرح کا قول فراء کا ہے۔ ان کے نزدیک تقدیر اس طرح ہے من جبال برد ان کے نزدیک جبال ہی برد (برف) ہیں۔ برد محل جر میں ہے اس قول کی بنا پر معنی ہوگا من جبال برد فیھا یعنی جبال کی تنوین کے ساتھ۔ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان میں پہاڑ پیدا فرمائے جن میں برف ہے تقدیر اس طرح ہوگی وینزل من السماء من جبال فیھا برد۔ اور من صلہ ہے، بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ آسمان سے پہاڑوں کی مقدار یا پہاڑوں کی مثل برف نازل کرنے کی ابتدا ہے۔ اور دوسرا من تبعیض کے لیے ہے کیونکہ برف، پہاڑوں کا بعض ہے اور تیسرا من جنس کے بیان کے لیے ہے کیونکہ ان پہاڑوں کی جنس برف سے ہے۔ اخفش نے کہا الجبال اور برد سے پہلے من دونوں جگہ زائدہ ہے (1) اور الجبال اور البرد محل نصب میں ہیں یعنی ینزل من السماء بردا یکون کالجبال آسمان سے برف نازل کرتا ہے جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے۔ فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ پس اس کا پہنچانا عذاب ہے اس کا اسے پھیر لینا نعمت ہے۔ یہ سورۂ بقرہ اور سورۃ الرعد میں گزر چکا ہے اور جو کڑک کی آواز سن کر تین مرتبہ کہتا ہے: سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکة من خیفته تو اس کڑک سے جو نقصان ہوتا ہے وہ اس سے بچ جاتا ہے۔ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یعنی بادل میں جو بجلی ہے اس کی چمک۔ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ اپنی شدت کی چمک اور روشنی کی وجہ سے آنکھوں کو لے جائے شماخ نے کہا:

وما كادت إذا رفعت سناها ... ليُبصِر ضوءها إلّا البَصِيرُ (2)

امراء القیس نے کہا:

يضيئ سناه أو مصابيحُ راهبٍ ... أهان السَّلِيط في الذُّبال المُفَتَّلِ (3)

السنا مقصود ہے بجلی کی چمک۔ السنا ایک بوٹی ہے جس سے دوا کی جاتی ہے۔ السناء ممدود بھی ہے اسی طرح طلحہ بن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 190   2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 113   3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 114

مصرف نے سناء، روشنی اور صفائی کی شدت میں مبالغہ کے اظہار کے لیے مد کے ساتھ پڑھا ہے اس پر شرف کے اسم کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ مبرد نے کہا: السنا مقصود ہے اس کا معنی چمک ہے۔ جب یہ شرف اور حسب کے معنی میں ہو تو ممدود ہوتا ہے ان دونوں کی اصل ایک ہی ہے اور وہ چمکنا ہے۔ طلحہ بن مصرف نے البرقة بجلی کی مقدار البرقة اسم مرة۔ جحدری اور ابن القعقاع نے کہا: یُذْهِبُ بِالْاَبْصَارِ میں باء صلہ زائدہ ہے۔ باقی قراء نے یذھب الابصار یاء اور ھا کے فتحہ کیساتھ پڑھا ہے۔ باء الصاق کے لیے ہے البرق بادل کے گھنا ہونے کی دلیل ہے اور بارش کی تیزی کی بشارت ہے اور بجلی کے نزول سے ڈرانے والی ہے۔ یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ بعض علماء نے کہا: ان کی تقلیب سے یہ مراد ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کو لاتا ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان میں کمی اور زیادتی کرتا ہے۔ بعض نے کہا: کبھی دن کو بادل کی تاریکی سے بدل دیتا ہے کبھی سورج کی روشنی سے چمکا دیتا ہے اسی طرح کبھی رات کو بادل سے تاریک کر دیتا ہے اور کبھی چاند کی روشنی سے روشن کر دیتا ہے؛ یہ نقاش کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ان کی تقلیب سے مراد ان میں خیر و شر، نفع وضرر کا جو اختلاف ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ یعنی لیل و نہار کی تبدیلی میں سے جو ہم نے ذکر کیا ہے بارش کے احوال اور گرمی و سردی کے احوال سے جو ذکر کیا ہے۔ لَعِبْرَةً عبرت ہے۔ لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ میری مخلوق میں سے صاحب بصیرت لوگوں کے لیے۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے تو ان میں کچھ تو رینگتے ہیں پیٹ کے بل اور ان میں سے بعض چلتے ہیں دو ٹانگوں پر اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر، پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو (حق کو) صاف صاف بیان کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے خلق ماضی کا صیغہ پڑھا ہے دونوں قراءتوں میں معنی صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو خبریں دی ہیں۔ پس اس میں یہ کہنا مناسب نہیں کہ ایک قرات دوسری قرات سے اصح ہے۔ بعض علماء نے کہا: خلق مخصوص چیز کے لیے ہے اور خالق عموم پر بولا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الْخَالِقُ الْبَارِئُ (الحشر: 24) اور خصوص میں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (الانعام: 1) اسی طرح هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الاعراف: 189) پس اللہ خلق کل دابة من ماء ہونا ضروری ہے۔ الدابة حیوان میں سے جو سطح زمین پر چلتا ہے کہا جاتا ہے: دب یدب فھو داب۔ اس میں ھاء مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ سورۂ بقرہ

میں گزر چکا ہے۔ من ماء۔ اس میں جن اور ملائکہ داخل نہیں کیونکہ ہم انہیں نہیں دیکھتے اور نہ یہ ثابت ہے کہ وہ پانی سے پیدا کیے گئے ہیں بلکہ صحیح میں ہے کہ "ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جن آگ سے پیدا کیے گئے ہیں"۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ مفسرین نے کہا: من ماء سے مراد من نطفۃ یعنی نطفہ سے پیدا کیا ہے (1) کہ ہر انسان کی تخلیق میں پانی ہے جس طرح آدم کو پانی اور مٹی سے پیدا فرمایا اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیخ سے فرمایا تھا جس نے غزوہ بدر میں پوچھا تھا: تم کس سے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھا: نحن من ماء ہم پانی سے ہیں۔ الحدیث۔ ایک قوم نے کہا: جن وفرشتوں کی استثنا نہیں ہے بلکہ ہر حیوان پانی سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے پیدا کی گئی ہے، ہوا پانی سے پیدا کی گئی ہے کیونکہ عالم کی سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ پانی تھا پھر اس سے ہر چیز بنائی۔ میں کہتا ہوں: اس کی صحت پر یہ قول دلالت کرتا ہے: فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ۔ پیٹ کے بل چلنا سانپوں اور مچھلیوں کے لیے ہے اور اسی طرح دوسرے کیڑوں کے لیے ہے اور دو ٹانگوں پر چلنا انسان اور پرندوں کے لیے ہے اور چار ٹانگوں پر چلنا حیوان کے لیے ہے۔ مصحف ابی میں ہے ومنهم من یمشی علی اکثر۔ اس زیادتی کے ساتھ تمام حیوان شامل ہو گئے جیسے سرطان اور خشاش وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو اجماع نے ثابت نہیں کیا۔ لیکن نقاش نے کہا: چار ٹانگوں پر چلنے والوں کے ذکر پر اکتفا کیا (2) اور اس سے زیادہ پر چلنے والوں کے ذکر سے استغنا کیا کیونکہ تمام حیوانوں کا اعتماد چار ٹانگوں پر ہوتا ہے یہ اس کے چلنے کا سہارا ہوتی ہیں اور بعض حیوانوں میں ٹانگوں کی کثرت اس کی خلقت میں زیادتی ہے وہ حیوان ان تمام ٹانگوں پر چلنے کا محتاج نہیں ہوتا۔ ابن عطیہ نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ کثیر ٹانگیں اس کے چلنے میں حرکت کرتی ہیں (3)۔ بعض نے کہا: کتاب میں چار سے زیادہ پر چلنے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ چار سے زیادہ پر چلنا نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں اضمار ہے ومنهم من یمشی علی اکثر من اربع جیسا کہ حضرت ابی کے مصحف میں ہے، واللہ اعلم۔ دابۃ کا لفظ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کو شامل ہے اور ذوی العقول کو غلبہ دیا کیونکہ جو غیر ذوی العقول کے ساتھ ہو جمع ہوتا ہے کیونکہ ذوی العقول مخاطب اور مکلف ہوتا ہے اسی وجہ سے فرمایا مِنْهُمْ۔ اور فرمایا مَّنْ يَّمْشِيْ۔ اور اس اختلاف کے ساتھ صانع کے ثبوت کی طرف اشارہ کیا۔ اگر تمام کا صانع مختار نہ ہوتا تو وہ مختلف نہ ہوتے بلکہ وہ ایک جنس سے ہوتے یہ اس قول کی طرح ہے۔ يُسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ (الرعد: 4) يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ جو ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہے۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"وہ کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور (اس کے) رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان سے (ایمان واطاعت کے) اس دعویٰ کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں"۔

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 391 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 191 3۔ ایضاً

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ اس سے مراد منافقین ہیں، وہ زبان سے کہتے ہیں: ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے لیکن ان کا یہ کہنا اخلاص اور یقین کے بغیر ہوتا ہے۔ وَ اَطَعْنَا۔ وہ کہتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰

"جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے۔ اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونا ہو تو (بھاگے) چلے آتے ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ طبری وغیرہ نے کہا: ایک منافق آدمی جس کا نام بشر تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا جھگڑا تھا یہودی نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے بلایا۔ منافق چونکہ حق پر نہ تھا اس نے آپ کے پاس آنے سے انکار کیا اور اس نے کہا: نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ظلم کرتا ہے ہم کعب بن اشرف (یہودی) کو اپنا حاکم بناتے ہیں تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مغیرہ بن وائل جو بنی امیہ سے تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان پانی اور زمین کا جھگڑا تھا۔ مغیرہ نے انکار کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے جائیں، مغیرہ نے کہا: وہ مجھ سے بغض کرتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیحکم مفرد صیغہ ذکر فرمایا۔ لیحکما تثنیہ کا صیغہ ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس سے مراد رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور کلام کے آغاز کے لیے تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹ اطاعت کرتے ہوئے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ فیصلہ فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: اَذْعَنَ فلان لحکم فلان يُذْعِن اذعانا تسلیم کرنا نقاش نے کہا: مذعنین کا مطلب ہے خضوع کا اظہار کرتے ہوئے (1)۔ مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے جلدی کرتے ہوئے۔ اخفش اور ابن اعرابی نے کہا: اقرار کرتے ہوئے۔ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شک وشبہ ہے۔ اَمِ ارْتَابُوْۤا۔ کیا انہیں آپ کی نبوت اور عدل میں شک پڑ گیا ہے، اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ یا انہیں خوف ہے کہ فیصلہ میں اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے۔ استفہام کے لفظ سے کلام ذکر کی کیونکہ یہ توبیخ میں سخت ہے اور مذمت میں ابلغ ہے جیسے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 115

جریر نے مدح میں کہا:

أَلستم خير من ركب المطايا وأندَىٰ العالمين بطونَ راحِ (1)

بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ وہ معانداور کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے اعراض کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فیصلہ کرنے کا اختیار مسلمانوں کے لیے ہوگا جب معاہد اور مسلم کے درمیان فیصلہ ہو۔ اس میں ذمیوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور اگر جھگڑا ذمیوں کے درمیان ہو تو پھر ان کا قاضی ہوسکتا ہے۔ اگر دونوں ذمی اسلام کے قاضی کے پاس آئیں تو اس کی مرضی ہے چاہے تو فیصلہ کر دے چاہے تو اعراض کرلے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں گزرا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت دلیل ہے کہ کوئی شخص کسی کو کسی جھگڑے میں تصفیہ کے لیے کسی قاضی کی طرف بلائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ضرور اس قاضی کے پاس جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی سخت مذمت کی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بلایا جائے تاکہ آپ اس کے اور اس کے خصم کے درمیان فیصلہ کریں اور وہ انکار کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ، ابن خویز منداد نے کہا: جس کو قاضی کی عدالت میں بلایا جائے اسے جانا واجب ہے جب کہ اسے معلوم نہ ہو کہ قاضی فاسق ہے یا مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان عداوت ہے۔ زہراوی نے حسن بن ابی الحسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے خصم کو کسی مسلمان حاکم کی طرف بلایا اور وہ نہ آیا تو وہ ظالم ہے اور اسے حق نہیں ہے'' (2) یہ بھی ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ رہا یہ قول کہ وہ ظالم ہے، یہ کلام صحیح ہے اور رہا یہ قول کہ اس کا حق نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ وہ غیر حق پر ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

''ایمانداروں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمائیں ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامراد ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی مومنین کو جب کتاب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ مہاجرین وانصار کی اطاعت کی خبر دے رہا ہے اگرچہ فیصلہ ان کے خلاف بھی ہوتا تو وہ یہی کہتے تھے۔ وہ منافق اگر ایماندار ہوتے تو کہتے: سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا قول پر نصب کانَ کی خبر کی بنا پر ہے اور اس کا اسم ان یقولوا ہے جیسے یہ ارشاد ہے: وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (آل عمران: 147) بعض علما نے کہا: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور کان کلام میں صلہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 392 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 116

(مریم) ابن القعقاع نے لیحکم بینھم پڑھا ہے یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے انما قول کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٥٢﴾

''جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ حفص نے ویتقہ کو جزم کی نیت پر قاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ شاعر نے کہا:

ومن یتّقِ فانّ اللہ معہ ورِزقُ اللہ مُؤتابٌ وغادِی

باقی قراء نے قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس کی جزم اس کے آخر کے حذف کے ساتھ ہے۔ ابوعمرو اور ابو بکر نے ھا کو ساکن کیا ہے یعقوب اور قالون نے نافع سے اور بستی نے ابوعمرو اور حفص سے کسرہ میں اختلاس روایت کیا ہے باقی قراء نے ھا کے کسرہ کو اشباع کیا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٥٢﴾ حضرت اسلم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد میں کھڑے تھے روم کا ایک دہقان ان کے پاس کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا: انا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اس کا کوئی سبب ہے؟ اس نے کہا: ہاں میں نے تورات، زبور، انجیل اور بہت سی انبیاء کرام کی کتابیں پڑھیں میں نے ایک قیدی کو قرآن کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جس میں سابقہ کتب کی ہر چیز جمع تھی، تو میں نے جان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پس میں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے کہا: یہ آیت ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ فرائض میں اللہ کی۔ وَرَسُوْلَهٗ اور سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وَيَخْشَ اللّٰهَ۔ اور گزشتہ عمر کی غلطیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ وَيَتَّقْهِ اور آئندہ عمر میں گناہوں سے بچتا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ کامیاب وہ ہے جو آگ سے نجات پا گیا اور جنت میں داخل ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے جوامع الکلم کی شان دی گئی ہے'' (2)۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٣﴾

''اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور سے کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل جائیں گے فرمائیے: قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ پھر منافقین کے ذکر کی طرف رجوع کیا جب اللہ تعالیٰ نے حکم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 119
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 200

نبی ﷺ کے لیے آنے پر ان کی کراہت بیان کی تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں اپنے گھروں، عورتوں اور اپنے اموال کو چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں تو ہم نکل جائیں گے، اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے نئے حکم میں اور آپ کی اطاعت کریں گے۔ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یعنی پوری طاقت سے قسمیں اٹھائیں۔ مقاتل نے کہا: جس نے اللہ کی قسم اٹھائی اس نے قسم میں زور لگایا۔ اس کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ جھد مصدر کی بنا پر منصوب ہے اس کی تقدیر اقساما بلیغا ہے۔ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا بیان کلام مکمل ہوا، طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ معروف طاعت تمہارے لیے تمہاری قسموں سے بہتر ہے یا یہ معنی کہ تمہاری طرف سے طاعت معروفۃ ہونی چاہیے اور دل کے اخلاص کے ساتھ قول معروف ہونا چاہیے قسم کی ضرورت نہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے میں نے تمہاری طاعت جان لی ہے یہ کذب اور تکذیب ہے یعنی تمہاری طرف سے معروف جھوٹ ہے اخلاص نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان سے اطاعت اور عمل سے مخالفت کو جانتا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴

”آپ فرمائیے: اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم کی پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں ہے (ہمارے) رسول کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ نفاق کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ اصل میں تتولوا تھا ایک تا کو حذف کیا گیا اس پر دلیل اس کے بعد علیکم کا لفظ ہے وہاں غائب کی ضمیر علیھم ذکر نہیں کی۔ فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ اس پر پیغام پہنچانا لازم کیا گیا ہے۔ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تم پر ان کی اطاعت لازم کی گئی ہے۔ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ الْبَلٰغُ سے مراد تبلیغ پیغام پہنچانا ہے۔ الْمُبِيْنُ ۝۵۴ واضح۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵

”وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے، وہ میری

عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں بناتے، اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد وہی لوگ نافرمان ہیں''۔

یہ آیت سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت کا سبب یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے دشمن کے سخت مقابلہ کی شکایت کی اور جو انہیں اپنے نفسوں پر خوف تھا اس کا ذکر کیا اور وہ اپنے ہتھیار رکھتے نہیں تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو العالیہ نے کہا: وحی کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام خوفزدہ ہو کر رہے۔ الله تعالیٰ سے سراً اور جہراً دعا کرتے تھے۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا وہ ڈرتے ہوئے صبح کرتے تھے اور شام کو ہتھیاروں میں ہوتے تھے۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول الله! کیا ہم پر کوئی ایسا دن نہیں آئے گا جس میں ہم امن سے ہوں گے اور ہتھیار اتار دیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تھوڑا سا وقت گزرے گا حتی کہ تم میں سے ایک شخص بڑے مجمع میں گوٹھ مار کر بیٹھے گا اور اس پر ہتھیار نہ ہوگا'' (1) تو یہ آیت نازل ہوئی الله تعالیٰ نے اپنے نبی کو جزیرہ عرب پر غالب کیا تو انہوں نے ہتھیار اتار دیے اور امن میں ہو گئے۔ نحاس نے کہا: اس آیت میں رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ الله تعالیٰ نے اپنا وہ وعدہ پورا کیا۔ ضحاک نے نقاش کی کتاب میں کہا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کو متضمن ہے (2) کیونکہ وہ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرنے والے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی'' اس قول کی طرف ابن عربی نے ''احکام'' میں اشارہ کیا ہے اور اس قول کو پسند کیا ہے۔ فرمایا: ہمارے علماء نے فرمایا یہ آیت خلفاء اربعہ کی خلافت کی دلیل ہے الله تعالیٰ نے انہیں خلیفہ بنایا اور ان کی امانت پر راضی ہوا۔ وہ لوگ اس دین پر تھے جو اس نے ان کے لیے پسند کیا تھا، کیونکہ آج تک فضیلت میں کوئی شخص ان سے آگے نہیں بڑھا خلافت ان کے لیے قائم ہوئی انہوں نے مسلمانوں کو صحیح سمت چلایا اور دین کا پورا دفاع کیا۔ اور ان میں یہ وعدہ پورا ہوا۔ اگر ان میں یہ وعدہ پورا نہیں ہوا اور ان میں نافذ نہیں اور ان پر وارد نہیں ہوا تو پھر کن لوگوں میں پورا ہوگا؟ آج تک ان کے بعد ان کی مثل نہیں آیا اور نہ بعد میں کوئی ایسا ہوگا رضی اللہ عنہم؛ یہ قول قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سفینہ نے روایت کی ہے فرمایا میں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر ملوکیت ہوگی'' (3)۔ سفینہ نے کہا: اے سعید! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال، حضرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال شمار کر۔ ایک قوم نے کہا: یہ وعدہ تمام امت کو ہے کہ وہ کلمہ اسلام کے تحت ساری زمین کے مالک ہوں گے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زویت لی الأرض فرأیت مشارقھا و مغاربھا وسیبلغ ملك أمتی ما زوی لی منھا (4)۔ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 171 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 193

3۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، ما جاء فی الخلفاء، جلد 2، صفحہ 45

4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، جلد 2، صفحہ 390

میری امت کی بادشاہی وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے؛ اس قول کو ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں پسند کیا ہے، فرمایا: آیت میں صحیح یہ ہے کہ یہ جمہور کی خلافت کے بارے میں ہے اور ان کا استخلاف یہ ہے کہ وہ انہیں شہروں کا مالک بنائے گا اور انہیں ان کے ماتحت کر دے گا جیسا کہ شام، عراق، خراسان اور مغرب میں ہوا۔ ابن عربی نے کہا: ہم نے انہیں کہا یہ نبوت، خلافت، اقامۂ دعوت اور عموم شریعت میں عام وعدہ ہے۔ یہ وعدہ ہر ایک میں اس کی قدر اور اس کی حالت کے اعتبار سے نافذ ہوگا حتی کہ مفتیوں، قاضیوں اور ائمہ میں یہ وعدہ پورا ہوگا خلافت کے لیے کوئی محل نہیں جس میں یہ وعدہ نافذ ہو مگر وہ جو خلفاء گزر چکے ہیں پھر انہوں نے بطور اعتراض و انفعال اس کا معنی ذکر کیا۔ اگر کہا جائے کہ یہ امر صحیح نہیں ہے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے، رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ دھوکے سے قتل کیے گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جھگڑا ہوا تھا۔ ہم کہیں گے: امن کے ضمن میں موت سے سلامتی نہیں خواہ وہ کسی وجہ سے ہو۔ رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ان کا جنگ میں اترنا امن کو ختم کرنا نہیں تھا اور نہ امن کی شرط سے جنگ کا نہ ہونا ہے بلکہ امن کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا خود مالک ہو نہ کہ جس طرح مکہ میں صحابہ کرام تھے۔ پھر اپنی کلام کے آخر میں فرمایا: حقیقت حال یہ ہے کہ وہ پہلے مجبور و مقہور تھے پھر غالب ہو گئے پہلے وہ مطلوب تھے پھر طالب بن گئے یہ امن اور عزت کی انتہا و کمال ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ حالت خلفاء اربعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے تاکہ آیت کے عموم سے ان کو خاص کیا جائے بلکہ اس میں تمام مہاجرین وغیرہ شامل ہیں کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ قریش نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ احد وغیرہ میں لڑائی کی خصوصاً جنگ خندق میں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے متعلق خبر دی: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (الاحزاب) پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹا دیا اور انہوں نے خیر نہ پائی۔ مومنین کو اللہ تعالیٰ نے امن دیا انہیں قریش کی زمینوں، گھروں اور اموال کا وارث بنایا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ کے ارشاد سے یہی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد بنی اسرائیل ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مصر میں جابروں کو ہلاک کر دیا تھا اور بنی اسرائیل کو ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا تھا۔ فرمایا: وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا (الاعراف: 137) اسی طرح صحابہ کرام پہلے کمزور اور ڈرنے والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں امن دیا اور انہیں قرار بخشا اور انہیں مالک بنایا۔ پس صحیح یہ ہے کہ آیت کریمہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو شامل ہے کوئی مخصوص لوگ مراد نہیں ہیں کیونکہ تخصیص تو کسی ایسی خبر سے ہوتی ہے جو واجب التسلیم ہو۔ اور اصل یہ ہے کہ عموم پر عمل کیا جائے اور صحابہ کرام کا خوف، امن میں تبدیل ہوا وہ اس طرح کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو کہا: کیا ہم پر ایسا دن بھی آئے گا کہ ہم امن میں ہوں گے اور ہتھیار اتار دیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تھوڑے عرصہ بعد تم میں سے ایک شخص ایک بڑے مجمع میں گوٹھ مار کر بیٹھے گا جبکہ اس پر کوئی ہتھیار نہ ہوگا'' (1) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس امر (اسلام) کو مکمل فرمائے گا (2) حتی کہ

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 171
2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام، جلد 1، صفحہ 510

سوار صنعاء سے حضر موت تک چلے گا اسے اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کوئی خوف نہ ہوگا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے خوف کے سوا کوئی خوف نہ ہوگا لیکن تم جلدی کر رہے ہو"۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کیا ہے۔ پس اسی طرح ہوا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی تھی۔ یہ آیت نبوت کا معجزہ ہے کیونکہ یہ مستقبل کی خبر تھی تو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ اس میں دو قول ہیں۔ (1) ارض سے مراد مکہ مکرمہ کی زمین ہے کیونکہ مہاجرین نے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا تھا۔ تو ان سے وعدہ کیا گیا جس طرح بنو اسرائیل سے وعدہ کیا گیا تھا؛ یہ معنی نقاش نے بیان کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرب و عجم کے شہر ہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہی صحیح ہے کیونکہ مکہ کی زمین مہاجرین پر رہنے کے لیے حرام کی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "لیکن مسکین سعد بن خولہ" (1) چونکہ ان کا وصال ہجرت کے بعد مکہ میں ہو گیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے لیے افسوس کا اظہار کرتے تھے۔ اور صحیح میں یہ بھی فرمایا: "مناسک حج ادا کرنے کے بعد مہاجر تین دن ٹھہر سکتا ہے" (2)۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ میں لام مضمر قسم کا جواب ہے کیونکہ وعدہ قول ہے۔ اس کا مجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا اور انہیں زمین کا مالک اور اس میں رہنے والا بنا دے گا۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی بنی اسرائیل۔ اللہ تعالیٰ نے مصر اور شام کے جبابرہ کو ہلاک کر دیا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا۔ اکثر کی قرات کما استخلف۔ تاء اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے کیونکہ وعدہ اور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کا قول اس کی دلیل ہے۔ عیسیٰ بن عمر، ابو بکر اور مفضل عاصم سے استخلِف تاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ فعل مجہول روایت کیا ہے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ اور وہ دین اسلام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ: 3) یہ پہلے گزر چکا ہے، سلیم بن عامر نے مقداد بن اسود سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "سطح زمین پر پتھر اور مٹی کا کوئی گھر نہیں ہے (3) مگر اللہ تعالیٰ اس میں کلمہ اسلام کو عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ اس میں داخل کرے گا۔ رہے وہ جن کی عزت کے ساتھ اسلام داخل ہوگا تو انہیں اللہ تعالیٰ عزت والا بنا دے گا اور جن کی ذلت کے ساتھ اسلام داخل ہوگا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے"۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے یہ اس کی حجت ہے جس نے کہا: ارض سے مراد عرب و عجم کے شہر ہیں اور یہ دوسرا قول ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ ابن محیصن، ابن کثیر، یعقوب اور ابو بکر نے تخفیف کے ساتھ ابدل سے مشتق کر کے پڑھا ہے؛ یہ حسن کی قرات ہے اور ابو حاتم کا مختار ہے باقی قراء نے تشدید کر کے ساتھ بدل سے مشتق کر کے پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید کا مختار ہے کیونکہ قرآن میں یہ اکثر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لاتبدیل لکلمات اللہ۔ اور فرمایا: وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً (النحل: 101) اس قسم کی دوسری مثالیں موجود ہیں۔ یہ دونوں لغات ہیں۔ نحاس نے کہا: محمد بن جہم نے فراء سے

1۔ صحیح بخاری، باب بنیان الکعبہ، جلد 1، صفحہ 560

2۔ جامع ترمذی، ابواب الحج، ماجاء أن ملك المهاجر بعد الصدر ثلاثاً، جلد 1، صفحہ 114

3۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 4

روایت کیا ہے فرمایا: عاصم اور اعمش نے ولیبدلنھم پڑھا ہے یہ عاصم سے روایت غلط ہے جب کہ اس کے بعد اس نے اس سے بڑی غلطی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تمام لوگوں سے تخفیف حکایت کی ہے۔ نحاس نے کہا احمد بن یحییٰ نے کہا: تثقیل اور تخفیف میں فرق ہے۔ کہا جاتا ہے: بدلتہ یعنی میں نے اس میں تبدیلی کی ابدلتہ میں نے اس کو زائل کر دیا اور اس کے غیر کو بنا دیا۔ نحاس نے کہا یہ قول صحیح ہے جیسے تو کہتا ہے أبدل لی ھذا الدرھم۔ یعنی یہ زائل کر دو اور مجھے اس کی جگہ اور دے دو۔ تو کہتا ہے: بدّلت بعدنا یعنی میں نے تبدیل کر دیا۔ لیکن یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ اور جو اس نے ذکر کیا وہ اکثر ہے؛ یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور ہم نے سورۂ ابراہیم میں سنت سے دلیل ذکر کی کہ بدل کا معنی ہے عین چیز کو زائل کرنا۔ وہاں غور کرو۔ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا (القلم: 32) تخفیف اور تثقیل کیساتھ پڑھا گیا ہے۔ يَعْبُدُوْنَنِيْ یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی حالت میں ان کی تعریف کی بنا پر اس کو نئی کلام بنانا بھی جائز ہے۔ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا۔ اس میں چار اقوال ہیں۔ (۱) وہ میرے علاوہ کسی خدا کی عبادت نہیں کرتے؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ (۲) میری عبادت میں ریاکاری نہیں کرتے۔ (۳) میرے علاوہ سے محبت نہیں کرتے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ ان نعمتوں کے بعد یہاں کفر سے مراد کفران نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ تعالیٰ کا انکار ذکر کرنے والا اس انعام کے بعد اور پہلے فاسق ہے۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

''صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوۃ اور اطاعت کرو رسول (پاک) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ عبادت کے امر کا تاکید کے لیے اعادہ فرمایا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

''یہ خیال ہرگز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے اور نصرت کا وعدہ ہے۔ اکثر لوگوں کی قرات تحسبن مخاطب کا صیغہ ہے، ابن عامر، حمزہ اور ابوحیوہ نے یحسبن یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1) یعنی کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، کیونکہ الحساب دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ فراء اور ابوعلی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو (2) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان نہ کریں کہ کفار ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے ہیں۔ پس الذین مفعول اول اور معجزین مفعول ثانی ہوگا۔ پہلے قول کی بنا پر الذین کفروا فاعل ہے، انفسھم مفعول اول ہے جو محذوف ہے معجزین مفعول ثانی ہے۔ نحاس نے کہا: میں اہل عرب میں سے کوئی ایسا

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 394 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 193

نہیں جانتا خواہ وہ بصری ہو یا کوفی اس نے حمزہ کی قرات کو غلط کہا ہے۔ بعض نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ اس میں لیحسبن کا ایک مفعول آیا ہے۔ یہ کہنے والوں میں ابوحاتم بھی ہے۔ فراء نے کہا: یہ ضعیف ہے اور اس کے باوجود جائز قرار دیا ہے اس بناء پر کہ پہلا مفعول حذف کیا گیا ہے۔ ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو اس قرات میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ الذین کفروا محل نصب میں ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے وہ کافر جنہوں نے کفر کیا وہ گمان نہ کریں کہ وہ ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے ہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ فراء اور ابوعلی کے قول کے موافق ہے مگر وہاں فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس قول میں فاعل کافر ہے معجزین کا معنی فائتین ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ لوٹنے کی جگہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۸

''اے ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے) جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے تم میں سے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لیے نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے علاوہ، کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک دوسرے کے پاس، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے فرمایا: یہ آیت خاص ہے اور اس سے پہلے والی عام ہے کیونکہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ۔۔۔ الخ۔ اور یہاں خاص فرمایا: لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ اس میں بعض اجازت طلب کرنے والوں کو خاص فرمایا، اسی طرح آیت کریمہ تمام اوقات کو شامل ہے۔ اس آیت میں بعض اوقات کو خاص کیا ان اوقات میں نہ غلام داخل ہو نہ لونڈی خواہ خدمت گذار ہو یا اس کے علاوہ ہو مگر اجازت کے بعد۔ مقاتل نے کہا: یہ اسماء بنت مرشد کے بارے میں نازل ہوئی (1)، ان کے پاس ان کا بڑا لڑکا آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ بعض نے کہا: اس کے نزول کا سبب مدلج کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر داخل ہونا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لِيَسْتَاْذِنْكُمْ کے بارے میں علماء کے مختلف چھ اقوال ہیں: پہلا یہ کہ یہ منسوخ ہے؛ یہ ابن مسیب اور

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 395

ابن جبیر کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں؛ یہ ابو قلابہ کا قول ہے فرمایا: انہیں یہ حکم دیا گیا ہے ان کی خاطر، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عورتیں ہیں؛ یہ ابو عبد الرحمن سلمی کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ مردوں کے متعلق ہے عورتوں کے لیے نہیں یہ چوتھا قول ہے (1)۔ پانچواں قول یہ ہے کہ یہ واجب تھا جب لوگوں کے دروازے اور کنڈے نہیں تھے (2)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ یہ حکم مردوں، عورتوں پر ثابت اور محکم ہے؛ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے ان میں قاسم، جابر بن زید، شعبی ہے اور سلمی کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ الذین عرب کلام میں عورتوں کے لیے نہیں ہوتا۔ عورتوں کے لیے اللاتی اور اللواتی استعمال ہوتا ہے۔ اہل نظر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو مستحسن کہا ہے، کیونکہ الذین کلام عرب میں مردوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ یہ جائز ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوں اور یہ دلیل کے ساتھ واقع ہوتا ہے اور کلام اپنے ظاہر پر ہے مگر اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے۔ رہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تو ابو داؤد نے عبید اللہ بن ابی یزید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ آیت جس کے ساتھ اکثر لوگوں کو حکم نہیں دیا گیا وہ آیت استیذان ہے میں اپنی لونڈی کو حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ پر آتے ہوئے اجازت طلب کرے۔ ابو داؤد نے کہا: اسی طرح عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یا مر بہ روایت کیا ہے۔ عکرمہ نے روایت کیا ہے کہ اہل عراق کے ایک گروہ نے کہا: اے حضرت ابن عباس! رضی اللہ عنہما آپ اس آیت کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں جس میں ہمیں ایک حکم دیا گیا ہے اور کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا پھر یہ آیت پڑھی، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ۔ ابو داؤد نے کہا: قعنبی نے عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ تک پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومنین پر حلیم و رحیم ہے وہ پردے کو پسند کرتا ہے لوگوں کے گھروں کے لیے پردے اور چادریں نہیں ہوتی تھیں بعض اوقات خادم، بیٹا یا یتیم بچی داخل ہو جاتی تھی جبکہ مرد اپنے اہل کے ساتھ ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پردوں کے وقت میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے پردے اور مال عطا فرمایا تو میں نے کسی کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا (3)۔ میں کہتا ہوں: یہ عمدہ متن ہے یہ سعید اور ابن جبیر کے قول کو رد کرتا ہے کیونکہ اس میں آیت کے نسخ پر دلیل نہیں ہے لیکن یہ اپنے حال پر تھی پھر زائل ہو گئی اگر پھر پہلے جیسی حالت ہو جائے تو اس کا حکم قائم ہو گا جس طرح پہلے تھا، بلکہ آج بھی اس آیت کا حکم دیہاتوں اور صحراؤں میں مسلمانوں کے گھروں کے بارے میں ثابت ہے۔ وکیع نے سفیان سے انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ ۔۔۔ الخ کی آیت منسوخ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 395 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 194

3۔ سنن ابی داؤد، باب الاستئذان فی العورات الثلاث، حدیث 4518

مسئلہ نمبر 3۔ بعض اہل علم نے کہا: تین مرتبہ اجازت طلب کرنا اس ارشاد سے ماخوذ ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ فرمایا: اس ارشاد سے مراد تین مرتبہ ہے۔ فرمایا: قرآن غلاموں اور بچوں کے بارے میں نازل ہوا اور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تمام کے بارے وارد ہوئی۔ ابن عبد البر نے کہا: جو کچھ ان علماء نے کہا ہے اگرچہ اس کی وجہ ہو سکتی ہے لیکن یہ علماء سے معروف نہیں ہے اس آیت کی تفسیر میں جس میں جھگڑا کیا گیا ہے۔ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ سے جمہور علماء نے تین اوقات مراد لیے ہیں اور اس قول کی صحت پر دلیل یہ ارشاد ہے: مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ۔

مسئلہ نمبر 4۔ الله تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے بندوں کو ادب سکھایا ہے کہ غلام جن کی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور بچے جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے مگر وہ ستر عورت کے مفہوم کو سمجھتے ہوں تو وہ ان تین اوقات میں اپنے گھر والوں کے پاس اجازت لے کر جائیں۔ عام طور پر ان تین اوقات میں لوگ ستر عورت کا اہتمام نہیں کرتے اور کپڑے اتارے ہوئے ہوتے ہیں۔ فجر سے پہلے کا وقت نیند کی انتہا کا وقت ہے۔ نیند کے کپڑوں سے نکلنا اور دن کے کپڑے پہننے کا وقت ہے اور دوپہر کا وقت بھی کپڑے اتارنے کا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت میں دن خوب روشن ہوتا ہے اس کی شعاعیں بلند ہوتی ہے اور گرمی سخت ہوتی ہے اور عشاء کی نماز کے بعد سونے کے لیے کپڑے اتارے جاتے ہیں پس ان اوقات میں ستر عورت غالب ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس کو مدلج کہا جاتا تھا(1) تاکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لائے غلام آیا تو وہ سوئے ہوئے تھے اور دروازہ بند تھا غلام نے دروازہ کھٹکھٹایا، پھر آواز دی اور اندر داخل ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور بیٹھ گئے آپ کا ستر کھلا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری خواہش تھی کہ الله تعالیٰ ہمارے بیٹوں، ہماری عورتوں اور ہمارے خدام کو ان اوقات میں ہمارے پاس آنے سے منع کر دے مگر وہ اجازت سے اندر آئیں، پھر حضرت عمر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ الله کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر گئے۔ یہ آیت مکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ تمہارے آزاد لوگوں میں سے جو بالغ نہیں ہوئے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ اسماعیل بن اسحاق نے ذکر کیا وہ فرماتے تھے: لیستاذنکم الذین لم یبلغوا الحلم مما ملکت ایمانکم۔ تقدیم و تاخیر پر ہے۔ آیت لونڈیوں کے متعلق ہے۔ جمہور نے الحلم کو لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حسن بن ابی الحسن نے ضمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، ابو عمرو اس کو مستحسن سمجھتے تھے۔ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ظرف کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ انہیں تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا انہیں تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ثلاث میں ظرفیت واضح ہے۔ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ ہر وقت میں تین مرتبہ اجازت طلب کرنا واجب نہیں۔ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ جمہور قراء

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 395

نے۔ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ، ثلاث کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے ثلاث نصب کے ساتھ پڑھا۔ انہوں نے ثلاث مرات کے قول میں ظرف سے بدل بنایا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: نصب ضعیف مردود ہے۔ فراء نے کہا: میرے نزدیک رفع محبوب ہے۔ فرمایا: میں نے رفع کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے یہ خصال تین ستر کے اوقات ہیں۔ کسائی کے نزدیک رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور ان کے نزدیک اس کی خبر مابعد کلام ہے اور عائد کے متعلق کچھ نہیں کہا اور مبتدا کے بارے میں نصا کہا ہے۔ فرمایا: العورات سے مراد وہ اوقات ہیں جن میں پردہ کھلا ہوتا ہے مگر انہوں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور نصب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ثلاث مرات پر لوٹایا گیا ہے، اسی وجہ سے فراء نے اس کو بعید جانا ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا یہ معنی ہے لیستاذنکم اوقات ثلاث عورات مضاف حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ عورات جمع ہے عورۃ کی اور صحیح میں اس کا باب فعلات (عین کے فتحہ کے ساتھ) پر آتا ہے جیسے جفنۃ اور جفنات وغیرہ اور معتل میں عین کو ساکن کیا گیا ہے جیسے بیضۃ سے بیضات کیونکہ فتحہ اس کے اعلال کا داعی ہے اسی وجہ سے فتحہ نہیں دیا گیا رہا شاعر کا قول:

أبو بَيَضاتٍ رائِحٌ مُتاوِبٌ رَفِيقٌ بِمسحِ المُنْكِبَيْنِ سَبُوحُ

تو یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ان اوقات کے بعد بغیر اجازت ان کے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ تم معمول کے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔ طَوّٰفُوْنَ بمعنی هم طوافون۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے انما هم خدمكم وطوافون عليكم۔ فراء نے اس پر نصب یعنی طوافین پڑھنا جائز کہا ہے کیونکہ نکرہ ہے اور علیکم میں مضمر معرفہ ہے۔ بصریوں نے علیکم اور بعضکم کی ضمیروں سے حال بنانا جائز قرار نہیں دیا کیونکہ عامل مختلف ہیں۔ اور مررت بزید و نزلت علی عمرو عاقلین۔ دونوں کی لغت کی بنا پر جائز نہیں۔ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ کا معنی ہے وہ تم پر آتے جاتے ہیں اور تم ان پر آتے جاتے ہو، اسی سے بلی کے بارے میں حدیث ہے: إنما هي من الطوافين عليكم أو الطوافات۔(1) تین پردے کے اوقات میں ان کے داخلہ کو منع فرمایا کیونکہ عورت کا حقیقی معنی ہے پردہ وہ چیز جس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ ہو اسی سے یہ ارشاد ہے: ان بيوتنا عورة ہمارے گھر داخل ہونے کے لیے آسان ہیں پس اذن کی موجب علت کو بیان کیا وہ ہے بے پردگی کی حالت میں خلوت، پس اس کی پیروی کرنا متعین ہو گیا اور نسخ کا قول ختم ہو گیا۔ پھر جناح کو رفع دیا گیا ہے اس قول کے ساتھ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی بعض بعض پر چکر لگاتے ہیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ کاف محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے جو اس کی متعبدات پر دلالت کرتی ہیں ایسا بیان جیسا کہ اس نے تمہارے لیے ان اشیاء کو بیان کیا ہے، یعنی کاف بمعنی مثل ہے اور بیانا مصدر کی صفت ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب سور الهرة، حدیث نمبر 68

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ عشاء کی نماز مراد ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ''اعراب تم پر تمہاری نماز کے نام پر غالب نہ آجائیں خبردار وہ عشاء ہے وہ دیر سے اونٹوں کا دودھ دوہتے'' (1) ایک روایت میں ہے ''اللہ کی کتاب میں اس کا نام عشاء ہے وہ تاخیر سے دودھ دوہتے ہیں اس لیے عشاء کی نماز کو عتمہ کہتے ہیں'' (2)۔ بخاری میں حضرت ابو برزہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کو موخر فرماتے تھے۔ حضرت انس نے فرمایا رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کو موخر کرتے تھے، یہ مغرب کی نماز پر دلالت کرتا ہے اور صحیح میں ہے۔ فصلاھا مغرب اور عشاء کے درمیان عصر کی نماز پڑھی۔ اور موطا وغیرہ میں ہے۔ ولو یعلمون ما فی العتمۃ والصبح لاتوھما ولو حبوا۔ اگر وہ عشاء اور صبح کی نماز کا ثواب جانتے تو وہ ان نمازوں کو پڑھنے کے لیے آتے اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل آنا پڑتا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ عشاء اور صبح کی نماز کی طرح پڑھتے تھے اور تمہاری نماز کے بعد کچھ عشاء کو موخر کرتے تھے اور نماز میں تخفیف فرماتے تھے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ اخبار متعارض ہیں۔ تاریخ سے معلوم نہیں کہ مقدم، موخر کونسی ہے نبی کریم ﷺ سے مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کہنے سے اور عشاء کی نماز کو عتمہ کہنے سے منع کرنا ثابت ہے۔ حدیث کے الفاظ کو صحابہ کرام کے اقوال بھی رد نہیں کر سکتے چہ جائے کہ کسی اور کا قول۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جس نے کہا: صلاۃ العتمہ وہ گنہگار ہے۔ ابن القاسم نے کہا: امام مالک نے کہا وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام صلاۃ العشاء رکھا ہے اور نبی کریم ﷺ اسی نام کو پسند کرتے تھے جو اللہ نے رکھا۔ انسان اپنے اہل اور اولاد کو اس کی تعلیم دے اور عتمہ نہیں کہا جاتا مگر اس کے خطاب کے وقت جو سمجھتا ہے۔ حضرت حسان نے کہا:

وکانت لایزال بہا أنیس خلالَ مُروجِھا نَعَمٌ وَشاءُ

فدَعْ ھذا ولکن مَنْ لِطَیْفٍ یؤرّقنی إذا ذھب العشاء

بعض علماء نے فرمایا: یہ نہی اس لیے ہے کہ بدوؤں کی اتباع میں عشاء کو عتمہ کہا جائے تا کہ اس کا وہ نام بدل نہ جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس کا نام کتاب اللہ میں رکھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ گویا جو اولیٰ ہے اس کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے نہی کی گئی ہے یہ تحریم کی جہت سے نہیں ہے اور نہ اس مفہوم میں کہ عشاء کو عتمہ کہنا جائز بھی نہیں ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ نبی کریم ﷺ سے عتمہ کا اطلاق اس پر ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو عتمہ کہنا مباح قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا: اس نام سے منع کیا گیا ہے یہ عبادت دینیہ ہے اس پر اس نام کا اطلاق نہ کیا جائے جو ایک دنیوی فعل کا اسم ہے وہ ہے اس وقت میں دودھ دوہنا اور اس کو عتمہ کہتے تھے۔ اس کی دلیل یہ قول ہے انھا تُعتِم بحلاب الابل (3)۔ اس وقت اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا ہے اس وجہ سے وہ اس نماز کو عتمہ کہتے تھے۔

1۔ صحیح مسلم، وقت العشاء وتاخیرھا، جلد 1، صفحہ 229 2۔ ایضاً

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، وقت عشاء وتاخیرھا، جلد 1 صفحہ 229

مسئلہ نمبر 8۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں اسماعیل بن عیاش نے بیان کیا انہوں نے عمارہ بن غزیہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''جس نے چالیس راتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ اس کی عشاء کی نماز سے پہلی رکعت فوت نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے بدلے آگ سے آزادی لکھ دیتا ہے'' (1) اور صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز (بھی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے ساری رات قیام کیا'' (2)۔ دارقطنی نے اپنی سنن میں سبیع یا تبیع سے انہوں نے کعب سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اور عشاء کی نماز پڑھی اور اس کے بعد چار رکعتیں ادا کیں ان کے رکوع وسجود کو مکمل کیا اور وہ جانتا ہو جو ان رکعتوں میں پڑھتا ہے تو وہ چار رکعتیں اس کے لیے لیلۃ القدر کے قائم مقام ہوں گی۔

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ (جن کا ذکر) پہلے ہوا، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے''۔

حسن نے الْحُلُمَ میں ضمہ کے ثقل کی وجہ سے اسے حذف کر دیا ہے۔ مذکورہ تین اوقات میں بچوں کو اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اوقات میں بغیر اجازت آنا مباح کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ اجازت طلب کرنے میں ہر وقت مردوں کے حکم میں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام کا بیان ہے اس کے حلال اور حرام کی وضاحت ہے۔ فرمایا فَلْيَسْتَاْذِنُوْا یہ نہیں فرمایا فلیستاذنکم جب کہ پہلی آیت میں فرمایا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ کیونکہ بچے مخاطب اور مکلف نہیں ہیں۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطا سے کہا۔ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا: لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اجازت طلب کریں جب وہ بالغ ہو جائیں، خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام ہوں۔ ابو اسحاق فزاری نے کہا: میں نے اوزاعی کو کہا بچے کی کیا حد ہے جس میں وہ اجازت طلب کرے؟ انہوں نے کہا: چار سال۔ فرمایا: کسی عورت پر داخل نہ ہو حتی کہ اجازت طلب کر لے؛ یہ زہری کا قول ہے۔ یعنی آدمی اپنی لونڈی پر اجازت طلب کرے اسی معنی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد، صلوٰۃ العشاء والفجر فی جماعۃ، جلد 1، صفحہ 58۔ ایضاً، حدیث 789، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، فضل صلوٰۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 232

ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

''اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں (اپنی) آرائش اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لیے بہتر ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ۔ القواعد کا واحد قاعد بغیر تاء کے ہے تاکہ اس کا حذف دلالت کرے کہ وہ کبر (بڑھاپے) کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: امراۃ حامل تاء کا حذف دلالت کرتا ہے کہ وہ حمل اٹھائے ہوئے ہے۔ شاعر نے کہا:

فلو أنّ ما فی بطنه بین نِسْوَةٍ　　　　حبِلْنَ وان کنّ القوعد عقرا(1)

اس کے علاوہ صورت میں کہا: قاعدۃ فی بیتہا وہ اپنے گھر میں بیٹھی ہے۔ حاملة علی ظهرها اپنی پیٹھ پر بچہ اٹھانے والی ہے۔ اَلْقَوَاعِدُ عمارت کی بنیادوں کو بھی کہتے ہیں اس کا واحد قاعدۃ تاء کے ساتھ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَلْقَوَاعِدُ۔ وہ بوڑھی عورتیں جو تصرف سے بیٹھ جاتی اور بچہ جنم دینے اور حیض سے بیٹھ جاتی ہیں؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ربیعہ نے فرمایا: وہ عورتیں جن کو تو دیکھے تو اس کے بڑھاپے کیوجہ سے تو اسے ناپسند کرے۔ ابو عبیدہ نے کہا: جو بچہ جنم نہیں دیتی ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات عورت بچے جنم نہیں دیتی لیکن اس سے متمتع ہوا جاتا ہے؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ القواعد کو چادر نہ کرنے میں خاص کیا ہے، کیونکہ نفس ان سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ مردوں کو ایسی عورتوں سے دلچسپی نہیں ہوتی پس ایسی عورتوں کے لیے اوپر والی چادر اوڑھنا مباح کیا گیا ہے جب کہ دوسری جوان عورتوں کے لیے مباح نہیں (بلکہ فرض ہے) ان سے تحفظ کی تکلیف دور کی گئی ہے جو نہیں تھکانے والی ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان یضعن من ثیابھن، من کی زیادتی کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ثیاب سے مراد جلباب پردے والی بڑی چادر ہے۔ حضرت ابن مسعود سے من جلابیبھن مروی ہے (2)۔ عرب کہتے ہیں: امرأۃ واضع اس عورت کو کہتے ہیں جو بوڑھی ہو اور اپنا دوپٹہ اتار دیا ہو۔ ایک جماعت نے کہا: وہ بوڑھی عورت جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہو اگر اس کے بال ظاہر ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں اس بنا پر اس کے لیے دوپٹہ اتار دینا جائز ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ پردہ کرنے میں جوان عورت کی طرح ہے اور بوڑھی عورت وہ چادر نہیں کرے گی جو قمیص اور دوپٹہ کے اوپر ہوتی ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر وغیرہما کا قول ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 121
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 195

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ۔ اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں تا کہ ان کی طرف دیکھا جائے کیونکہ انتہائی قبیح اور حق سے دور بات ہے۔ التبرج کا معنی آنکھوں کے لیے ظاہر ہونا اور کھلنا اسی سے بروج مشیدۃ اور بروج السماء والأسوار ہے یعنی ایسے ایسے محلات جن کے سامنے پردہ نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا: اے ام المومنین! آپ خضاب، رنگ، تعویز، بالیاں، پازیب، سونے کی انگوٹھی، باریک کپڑوں کے متعلق کیا کہتی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! تمہارا قصہ ایک عورت کے قصہ کی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے زینت کو حلال کیا ہے لیکن زینت ایسے شخص کے سامنے ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں جس کے لیے ان کو دیکھنا حلال نہ ہو لیکن یہ کہ وہ تمہیں دیکھیں حرام طریقہ پر۔ عطا نے کہا: یہ اپنے گھروں میں اجازت ہے جب گھر سے باہر نکلیں تو ان کے لیے چادریں اتارنا جائز نہیں اس بنا پر غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ کا مطلب ہوگا وہ اپنے گھروں سے نکلنے والی نہ ہوں۔ اس بنا پر یہ کہنا لازم آئے گا کہ جب گھر میں ہو تو بھی قمیص کے اوپر چادر لینا ضروری ہے۔ یہ بعید ہے مگر جب اس پر کوئی اجنبی شخص داخل ہو تو پھر گھر میں بھی چادر اوڑھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ تمام عورتوں کا کپڑے اتارنے سے بچنا اور ان کا ان چیزوں کا اہتمام کرنا جو نوجوان عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ان کے لیے افضل ہے۔ حضرت ابن مسعود نے وان یتعففن بغیر سین کے پڑھا ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: التبرج سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے دو کپڑے پہنیں جو اتنے باریک ہوں کہ ان کا جسم ظاہر ہو۔ صحیح میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو اقسام آگ والوں سے ہیں میں نے ان کو ابھی نہیں دیکھا (1)۔ ایک وہ قوم جن کے پاس گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہیں جن کیساتھ لوگوں کو مارتے ہیں اور وہ عورتیں جو پہنے ہوئے ہوں گی (لیکن) برہنہ ہوں گی (لباس کے باریک ہونے کی وجہ سے) مائل کرنے والی ہوں گی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہوں گے جو مائل ہونے والی ہوتی ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی اگرچہ اس کی خوشبو اتنی مسافت سے پائی جاتی ہے''۔ ابن عربی نے کہا: پہلے فرمایا وہ پہننے والیاں ہیں لیکن ان کے لباس اتنے باریک ہیں کہ ان کے محاسن ظاہر ہوتے ہیں، اس لیے فرمایا: وہ برہنہ ہیں اور یہ حرام ہے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں علماء کی دو تاویلوں میں سے یہ ایک تاویل ہے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ وہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں لیکن تقویٰ کے لباس سے برہنہ ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 26) شاعر نے کہا:

إذا المرء لم يلبس ثيابا من التُّقَى تقلب عُرْيَانًا وإن كان كاسِيا

وخيرُ لباس المرء طاعَةُ ربّه ولا خيرَ فيمن كان لِله عاصِيا

جب انسان تقویٰ کا لباس زیب تن نہ کرے تو وہ برہنہ ہوتا ہے اگرچہ وہ لباس پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ انسان کا بہتر لباس اس کے رب کی اطاعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں سویا ہوا تھا (2)، میں نے خواب میں لوگوں کو دیکھا وہ مجھ پر پیش کیے گئے اور ان پر

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 2، صفحہ 205
2۔ صحیح مسلم، من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، جلد 2، صفحہ 274

قیصیں تھیں کچھ سینوں تک پہنچتی تھیں کچھ اس سے لمبی یا کم تھیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گزرے ان پر قیص اتنی لمبی تھی کہ وہ گھسیٹ رہے تھے''۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ فرمایا: ''دین''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص کی تعبیر دین سے کرنا اس قول سے ماخوذ ہے: وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 26) عرب فضل اور عفاف کو لباس سے کنایہ کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا: ثیاب بنی عوف طھاری نقیۃ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تیری قیص کو پرانا کرے گا اگر وہ تجھ سے ارادہ کریں کہ تو اسے اتار دے تو تو اسے نہ اتارنا''۔ یہاں خلافت کو قیص سے تعبیر فرمایا یہ خوبصورت استعارہ معروفہ ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تاویل بہتر ہے۔ یہ اس زمانہ میں عورتوں کے مناسب ہے خصوصاً جوان عورتیں وہ زیب و زینت کرتی ہیں اور زیب و زینت ظاہر کرتے ہوئے باہر نکلتی ہیں پس وہ لباس پہنے ہوئے ہیں، حقیقۃً ظاہراً اور باطناً تقویٰ سے برہنہ بلکہ ان کا مقصود بھی یہ ہوتا ہے کہ لوگ انہیں دیکھیں۔ یہ مشاہدہ ہے اگر ان کے پاس تقویٰ نام کی کوئی چیز ہوتی تو وہ ایسا کبھی نہ کرتیں اور کوئی نہ جانتا جو کچھ وہاں ہے۔ اس تاویل کو مزید تقویت اس قول سے ملتی ہے کہ ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہیں۔ بختی اونٹ بڑے بڑے جسموں والے اونٹ ہوتے ہیں۔ اور ان کی کہانیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ اس کے سر کو ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ وہ اپنے سروں کے درمیان اپنے بالوں کے جوڑے کو بلند کرتی ہیں۔ یہ بھی مشاہد و معلوم ہے اور ان کی طرف دیکھنے والا لوم (ملامت کیا گیا) ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو'' (1)۔ اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝61

''نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر یا الگ الگ، پھر جب تم داخل ہو گھروں میں

1۔ جامع ترمذی، کتاب الادب، ما جاء فی تحذیر فتنۃ النساء، جلد 2، صفحہ 102

سلامتی کی دعا دو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے جو بڑی بابرکت (اور) پاکیزہ ہے، یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام کہ تم سمجھ لو"۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے مختلف آٹھ اقوال ہیں اور ان میں قریب ترین تین ہیں کیا یہ منسوخ ہے یا ناسخ ہے یا محکم ہے؟ (1) یہ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ سے لے کر آخر تک منسوخ ہے؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے۔ فرمایا: یہ چیز ختم ہو چکی ہے، ابتدائے اسلام میں تھی جب کہ ان کے دروازے بند نہیں ہوتے تھے اور ان کے دروازوں پر پردے لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ بعض اوقات کوئی شخص آتا تھا وہ گھر میں داخل ہوتا تھا جب کہ وہ بھوکا ہوتا تھا اور گھر میں کوئی شخص نہیں ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس گھر سے کھانا جائز قرار دیا تھا پھر گھروں کے دروازے بن گئے تو اب کسی کے لیے ان کو کھولنا جائز نہیں پس یہ حکم ختم ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شخص کسی کا جانور نہ دوہے مگر اس کی اجازت سے" (1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ناسخ ہے؛ یہ ایک جماعت کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء: 29) نازل فرمایا تو مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے مال باطل ذریعہ سے کھانے سے منع فرمایا ہے اور طعام، اموال سے افضل ہے (2) پس ہم میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی کے پاس کھانا کھائے، پس لوگ اس سے باز آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ فرمایا: ایک آدمی اپنا سامان دوسرے شخص کے سپرد کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں: علی بن ابی طلحہ یہ بنی ہاشم کا غلام ہے شام میں سکونت اختیار کی ابوالحسن اس کی کنیت تھی اور ابو محمد بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے باپ کا نام ابوطلحہ سالم تھا تفسیر میں اس پر کلام کی گئی ہے۔ بعض نے کہا: اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا بھی نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے؛ یہ بھی متقدر اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے ان میں سعید بن مسیب، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں اور زہری نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے تھے اور اپنی چابیاں اپنے اپاہج لوگوں کو دے دیتے تھے اور کہتے تھے: اگر تمہیں ضرورت پڑے تو تم کھا لینا۔ وہ کہتے تھے: انہوں نے ہمارے لیے خوشی سے اس کھانے کو حلال نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ ... الخ۔ نحاس نے کہا: حدیث میں یوعبون کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی وہ تمام کے تمام جنگ میں نکلتے تھے کہا جاتا ہے: اوعب بنی فلان لبنی فلان جب وہ تمام کے تمام ان کے پاس آ جائیں۔ ابن السکیت نے کہا: کہا جاتا

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللقطة، لا تحلب ماشية احد بغير اذن، جلد 1، صفحہ 329
2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 397

ہے اوعب بنوں فلان جلاء یعنی شہر میں ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا۔ جاء الفرس بر کض وعیب یعنی پوری طاقت سے دوڑ کر آیا۔ حدیث میں ہے، فی الانف اذا استوعب جدعه الدية(1) ناک پوری کٹ جائے تو اس میں پوری دیت ہے۔ استیعاب الشئی کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ کہا جاتا ہے: بیت وعیب جب گھر کھلا ہو جو کچھ اس میں ہے وہ اس کو گھیر لے۔ الضمنی سے مراد اپاہج لوگ ہیں ان کا واحد ضمن ہے جیسے زمن ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول بہتر ہے اس سے جو کچھ اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے کیونکہ اس میں صحابہ اور تابعین سے تعین مروی ہے کہ آیت معین چیز میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ کلام منظم ہے کیونکہ اپاہج لوگ جہاد میں شریک نہیں ہوتے تھے اور مجاہدین کے اموال ان کے ہاتھوں میں ہوتے تھے لیکن اَوْ مَامَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اس کا تقاضا کرتا ہے ورنہ یہ قول بہت بعید تھا، لیکن یہ کہنا بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نابینا سے اس کام کے کرنے کی حرج اٹھا دی جس میں نظر ہونا شرط ہے اور لنگڑے سے اس کام کی تکلیف دور کر دی جس میں چلنا شرط تھا اور ان افعال کا کرنا لنگڑے پن کے ہوتے ہوئے مشکل تھا۔ اور مریض سے حرج اٹھا دی جس کو ساقط کرنے میں مرض موثر تھی جیسے روزہ اور نماز کی شرط اور اس کے ارکان اور جہاد اور اس جیسے اعمال اس کے بعد واضح اور مفید تفسیر ہے۔ شریعت اور عقل اس کی تائید کرتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ضرورت نہیں۔ میں کہتا ہوں: ابن عطیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے فرمایا: آیت کا ظاہر اور امر شریعت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں سے حرج اٹھائی گئی ہے جس کو کوئی عذر لاحق ہے اور ان کی نیت اس میں کامل طور پر کرنے کی تھی اور ان کا عذر ان سے ناقص کام کا تقاضا کرتا ہے۔ پس ان سے حرج اٹھائی گئی ہے' ور جو علماء نے اس حرج کے بارے میں کہا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن زید نے کہا: یہ جنگ میں حرج ہے(2) یعنی جنگ میں پیچھے رہ جانے میں کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ یہ پہلے کلام سے جدا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: پوری آیت کھانوں کے بارے میں ہے۔ فرمایا: عرب اور جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے بعثت سے پہلے معذور لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کرتے تھے۔ بعض تو نفرت کرتے ہوئے ایسا کرتے تھے کیونکہ نابینا ہاتھ کو کھانے میں گھماتا رہتا ہے اور لنگڑے کے پاس غرور کی وجہ سے نہیں بیٹھتے تھے اور مریض کی بدبو اور بیماری کی وجہ سے اس کے پاس نہیں بیٹھتے تھے یہ زمانہ جاہلیت کے اخلاق تھے اور یہ تکبر تھا تو یہ آیت یہ اعلان کرتے ہوئے نازل ہوئی اور بعض لوگ غیر معذور سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے کیونکہ وہ کھانے میں صحیح لوگوں سے درجہ میں کم ہوتے تھے کیونکہ نابینے کو دکھائی نہیں دیتا اور لنگڑا مزاحمت سے عاجز ہوتا ہے اور مریض کمزور ہوتا ہے تو ان کے ساتھ کھانے کی اباحت میں آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زہروی کی کتاب میں فرمایا: عذر والے لوگ اپنے عذر کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے بچتے تھے تو یہ آیت ان کے لیے اباحت کا اظہار کرتے ہوئے نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: آدمی جب کسی معذور کو اپنے گھر لے جاتا تھا اور اپنے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں پاتا تھا تو وہ اسے اپنے قرابت داروں کے گھر لے جاتا تھا پس عذر والے لوگ اس سے بچتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

1۔ سنن نسائی، کتاب البیوم، عقل الاصابع، جلد 2، صفحہ 251 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 195

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ یہاں سے کلام کا آغاز ہو رہا ہے یعنی اے لوگو! تم پر کوئی حرج نہیں جو مخاطب اور غیر مخاطب جمع تھے تو مخاطب کو غلبہ دیا تا کہ کلام کا نظم باقی رہے۔ قرابت داروں کے گھروں کا ذکر کیا اور بیٹوں کے گھروں کا ذکر نہیں کیا۔ مفسرین نے فرمایا: یہ فی بیوتکم میں داخل ہیں کیونکہ بیٹے کا گھر باپ کا گھر ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: بعض علماء نے اس قول کی مخالفت کی ہے اور فرمایا: یہ کتاب اللہ پر حکم لگانا ہے بلکہ ظاہر میں اولیٰ یہ ہے کہ بیٹا ان کے مخالف نہ ہو۔ اور انت ومالك لابيك(1)۔ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے کی روایت سے بھی حجت قوی نہیں ہوتی کیونکہ یہ حدیث بہت کمزور ہے اگر یہ صحیح بھی ہوتی تو اس میں حجت نہیں تھی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اس مخاطب کا مال اس کے باپ کا ہے یعنی مالك لك۔ تیرا مال تیرا ہے۔ باپ اور بیٹے کے درمیان میراث کا جاری ہونا اس کو قطع کر دیتا ہے۔ حکیم ترمذی نے کہا: وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ۔ گویا فرمایا تمہارے وہ مکان جن میں تمہارے گھر والے اور تمہاری اولاد رہتی ہے۔ پس یہاں اہل اور بیٹے کے لیے ایک چیز ہے اس شخص نے جس کا مسکن ہے اہل اور اولاد کو فائدہ پہنچایا۔ پس اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کے ساتھ خوراک کھائے یا بیوی اور بچے کے لیے وہاں ان کی ملکیت سے کوئی چیز ہو پس اس پر اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ بعض علماء نے فرمایا: ان کے گھروں سے کھانا تب جائز ہے جب وہ اسے اجازت دیں۔ بعض علماء نے کہا: وہ اسے اجازت دیں یا نہ دیں اس کے لیے کھانا جائز ہے کیونکہ قرابت جو ان کے درمیان ہے یہ ان کی طرف سے اذن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قرابت میں ایک مہربانی ہے اس مہربانی اور شفقت کی وجہ سے نفوس کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ ان کی کوئی چیز کھالے جب انہیں اس کے کھانے کے متعلق معلوم ہوگا تو وہ خوش ہوں گے۔ ابن عربی نے بغیر اجازت نسب کی وجہ سے کھانا ہمارے لیے مباح قرار دیا ہے جب کہ کھانا معمول کے مطابق ہو۔ جب کھانا مخصوص ہو اور محفوظ کیا گیا ہو تو پھر کھانا جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ذخیرہ کریں او رنہ ایسی چیز کی طرف تجاوز کریں جو کھانے والی نہ ہو اگرچہ وہ غیر محفوظ ہو مگر ان کی اجازت سے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ یعنی جو تم نے خزانہ کیا اور تمہارے قبضہ میں ہے۔ اور اس کو عظیم سمجھتا ہے انسان جس کا وہ اپنے گھر میں مالک ہوتا ہے اور اس کے قبضہ میں ہوتا ہے؛ یہ ضحاک، قتادہ اور مجاہد کی تاویل ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں وکلاء، غلام اور مزدور سب داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انسان کا وکیل اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، خازن اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ معمولی سی چیز کھالے۔ ابن عربی نے کہا: خازن کے لیے جائز ہے کہ وہ جس کو خزانہ کرتا ہے اس سے کچھ کھائے۔ اس پر اجماع ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کے لیے اجرت نہ ہو لیکن جب اس کے لیے اجرت ہو تو اس پر کھانا حرام ہے۔ سعید بن جبیر نے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 142۔ ایضاً، حدیث نمبر 3063، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ملکتم میم کے ضمہ، لام کے کسرہ اور شد کے ساتھ پڑھا ہے اور مفاتیحہ تاء اور حاء کے درمیان یاء کے ساتھ پڑھا ہے یہ مفتاح کی جمع ہے یہ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ قتادہ نے مفاتحہ مفرد پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت حارث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا اور مالک بن زید اس کے گھر والوں کی نگرانی پر تھا جب وہ واپس آیا تو اس نے مالک کو بڑی مشقت میں پایا۔ اس کی حالت پوچھی تو اس نے کہا: میں نے تیری اجازت کے بغیر تیرے مال سے کھانے سے اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ صَدِيْقِكُمْ۔ صدیق جمع کے معنی میں ہے اس طرح العدو ہے جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ (الشعراء: 77) وہ میرے دشمن ہیں۔ جریر نے کہا:

دَعَوْنَ الهوى ثم ارْتَمَيْنَ قلوبنا بأسهم أعداء وهن صديقُ (1)

الصدیق وہ ہوتا ہے جو اپنی محبت میں تجھ سے سچ بولتا ہے اور تو اپنی محبت میں اس سے سچ بولتا ہے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ (الاحزاب: 53) کے ارشاد کے ساتھ اور فان لم تجدوا فیھا احد افلا تدخلوھا کے قول کے ساتھ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: لایحل مال امرء مسلم الا بطیبۃ نفس منه (2)۔ کے ساتھ منسوخ ہے۔ بعض نے کہا: یہ محکم ہے۔ یہ اصح ہے۔ محمد بن ثور نے معمر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں قتادہ کے گھر داخل ہوا تو میں نے اس میں کھجوریں دیکھیں میں نے انہیں کھانا شروع کر دیا انہوں نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے تیرے گھر میں کھجوریں دیکھیں تو میں نے کھانا شروع کر دیا۔ فرمایا: تو نے اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْ صَدِيْقِكُمْ عبد الرزاق نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے۔ اَوْ صَدِيْقِكُمْ کے تحت فرمایا: جب تو اپنے دوست کے گھر اس کے حکم کے بغیر داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ معمر نے کہا میں نے قتادہ سے کہا: کیا میں اس گھڑے سے پی لوں؟ انہوں نے فرمایا: تو میرا دوست ہے پھر یہ اجازت کیسی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ کے باغ بیرحاء میں داخل ہوتے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر اس کا میٹھا پانی پیتے تھے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ علماء نے فرمایا: پانی اپنے مالکوں کی ملکیت میں ہوتا ہے جب دوست کے پانی سے بغیر اجازت پینا جائز ہے تو اس کے پھلوں اور طعام سے کھانا بھی جائز ہے، جب اسے معلوم ہو کہ اس کا دوست اس سے خوشی محسوس کرے گا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی بات چیت ہوتی ہے نیز اس میں مشقت بھی کم ہے یا ان کے درمیان محبت ہے۔ اسی مفہوم میں ام حرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھلانا ہے جب وہ ان کے پاس سوتے تھے کیونکہ اغلب یہ ہے کہ جو کچھ گھر میں ہوتا ہے وہ مرد کا ہوتا ہے۔ اور اس کی بیوی کا ہاتھ اس میں عاریۃ ہوتا ہے۔ یہ تمام اسی صورت میں ہے جب تک وہ کپڑے میں باندھ کر نہ لے جائے اور اس سے اپنے مال کو بچانے کا ارادہ نہ ہو اور وہ مال معمولی حیثیت کا ہو۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دوست کو خالص قرابت داروں کے ساتھ ملایا ہے کیونکہ مودت کا قرب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 124

2۔ مجمع الزوائد، کتاب البیوع، الغصب وحرمۃ مال مسلم، جلد 4، صفحہ 305

بہت زیادہ ملنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقاش کی کتاب میں دوست، قرابت سے زیادہ موکد ہے (1)۔ آپ جہنمیوں کا استغاثہ ملاحظہ نہیں کرتے فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝ (الشعراء) میں کہتا ہوں: اس وجہ سے ہمارے نزدیک دوست کی دوست کے لیے شہادت جائز نہیں جس طرح رشتہ دار کی رشتہ دار کے لیے شہادت (گواہی) جائز نہیں۔ اس کا بیان اور اس کی علت سورۃ النساء میں گزر چکی ہے اور ضرب المثل ہے أیهم أحب الیك أخوك أم صدیقك قال أخی إذا کان صدیقی۔ تجھے کون زیادہ محبوب ہے اپنا بھائی یا دوست۔ اس نے کہا: میرا بھائی جب وہ میرا دوست ہو۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا بعض علماء نے کہا: یہ بنی لیث بن بکر کے بارے میں نازل ہوئی یہ بنی کنانہ سے ایک قبیلہ ہے ان میں سے کوئی شخص تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا اور وہ کئی دن تک بھوکا رہتا تھا حتی کہ وہ کوئی ایسا شخص پالیتا جو اس کے ساتھ کھانا کھاتا؛ اسی سے کسی کا قول ہے:

إذا ماصنعتِ الزاد فالتمس له أکیلًا فإنّی لست آکله وَحْدِی (2)

ابن عطیہ نے کہا: یہ سیرت انہیں حضرت ابراہیم سے میراث ملی تھی۔ حضرت ابراہیم تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اور بعض عرب ایسے تھے کہ جب ان کا مہمان ہوتا تو وہ میزبان مہمان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا تو آیت کریمہ کھانے کی سنت کو بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی اور یہ سیرت عرب میں سے جو اس کے مخالف تھا اس کو یہ ختم کرنے والی ہے اور عربوں کے نزدیک تنہا کھانا جو حرام تھا اس کو مباح کرنے والی ہے اس کے ذریعے اخلاق کریمانہ کا قصد کیا ہے اور اس کو لازم کرنے میں مبالغہ کیا ہے کھانے والے کو حاضر کرنا اچھی بات ہے کہ تنہا کھانا بھی حرام نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا، جمیعا پر نصب حال کی بناء پر ہے۔ اَشْتَاتًا شت کی جمع ہے۔ الشت بمعنی التفرق (جدا جدا ہونا) ہے کہا جاتا ہے: شت القوم یعنی قوم جدا جدا ہوئی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے۔ لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج والنهد والاجتماع۔ اس باب سے مقصود بقول ہمارے علماء اکٹھا کھانا کھانا مباح ہے اگرچہ کھانے میں احوال مختلف ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے پس یہ ان گروہوں میں سنت ہے جو اجتماعی کھانے، دعوت ولیمہ اور سفر میں کھانا ختم ہونے کی صورت میں کھانے کی طرف بلائے جاتے ہیں اور جس کی چابیوں کا تو امین یا دوستی کی وجہ سے مالک ہو تو تیرے لیے رشتہ دار یا دوست کے ساتھ مل کر کھانا اور تنہا کھانا جائز ہے۔ النهد سے مراد وہ مال یا کھانا ہوتا ہے جس کو احباب خرچ کرنے کے لیے جمع کرتے ہیں پھر اسے آپس میں خرچ کرتے ہیں تو کہتے ہیں: تناهدوا انہوں نے خوراک کو جمع کیا پھر اکٹھا خرچ کیا۔ صاحب العین سے مروی ہے ابن درید نے کہا: اسی سے کہا جاتا ہے تناهد القوم الشی بینهم، ہروی نے کہا: حسن کی حدیث میں ہے۔ أخرجوا نهد کم فإنه أعظم البرکة وأحسن لأخلاقکم۔ اپنا اپنا مال یا کھانا نکالو اور جمع کرو کیونکہ اس میں بہت برکت ہوتی ہے اور تمہارے اخلاق کے لیے اچھا ہے۔ النهد جو سفر میں برابر خرچہ تقسیم کرنے کے وقت احباب نکالتے ہیں اور جمع کرتے ہیں عرب کہتے ہیں:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 5 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 196

ھات نھدك۔ نون کے کسرہ کے ساتھ اپنا کھانا لے آؤ۔ مہلب نے کہا: وہ جمع شدہ کھانا کھانے والوں کے لیے اس لئے نہیں رکھا جاتا کہ وہ برابر کھائیں بلکہ ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق کھاتا ہے اور کوئی شخص زیادہ بھی کھاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایسا نہ کرنا تقوی کے زیادہ مناسب ہے اگر ایک جماعت ہر روز کسی ایک کے کھانے پر جمع ہوتی ہے تو یہ النھد سے افضل ہے کیونکہ وہ کھانا نہیں نکالتے مگر اسلیے تا کہ ان میں سے ہر ایک اس کے مال سے پہنچے پھر یہ معلوم نہیں ہوتا شاید اس نے اپنے مال سے کم کھایا ہو اور دوسروں نے اس کے مال سے زیادہ کھایا ہو۔ جب وہ ایک دن ایک کے کھانے پر جمع ہوں گے اور دوسرے دن دوسرے کے کھانے پر جمع ہوں گے اور اس میں شرط بھی نہ ہوگی تو وہ مہمان ہو جائیں گے اور مہمان خوشی سے کھاتا ہے جو اسے پیش کیا جاتا ہے۔ ایوب سختیانی نے کہا: النھد یہ تھا کہ لوگ سفر میں ہوتے تھے بعض منزل پر پہلے پہنچ جاتے تھے وہ جانور ذبح کرتے تھے، کھانا تیار کرتے تھے، پھر وہ اگلی منزل پر پہلے پہنچ جاتا تھا اور وہ اسی طرح کھانا تیار کرتا تھا تو لوگوں نے کہا: یہ جو کچھ کرتا ہے ہم بھی اس کی طرح کرنا پسند کرتے ہیں آؤ ہم ایسا کام کریں جس میں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ ہو تو انہوں نے نہد (مال جمع کرنا) کا پروگرام بنایا۔ نیک لوگ جب مال جمع کرتے تھے جو ان میں سے مالدار ہوتا تھا وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ دینے کی کوشش کرتا تھا اگر دوسرے اس سے راضی نہ ہوتے تھے تو وہ پوشیدہ ایسا کر دیتا تھا۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ مفسرین کا بیوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابراہیم نخعی اور حسن نے کہا: اس سے مراد مساجد ہیں (1) مطلب یہ ہے کہ مساجد میں جو تمہاری صنف سے بیٹھے ہیں انہیں سلام کرو اگر مساجد میں کوئی نہ ہوں تو آدمی کو یوں کہنا چاہیے: السلام علی رسول اللہ۔ بعض نے کہا السلام علیکم کہنا چاہیے اور اس سے فرشتوں کا ارادہ کرے، پھر کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں معمر نے خبر دی انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس ارشاد کے تحت روایت کیا ہے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہو۔ بعض نے کہا: البیوت سے مراد رہنے والے گھر ہیں، یعنی اپنے اوپر سلام کرو یہ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے وہ اگر ایسے گھروں میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تو انسان اپنے اوپر سلام کرے یوں کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ ابن عربی نے کہا: بیوت میں عموم کا قول صحیح ہے تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس عموم کے تحت ہر گھر داخل ہے خواہ وہ غیر کا ہو یا اپنا ہو، جب غیر کے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے جیسا حدیث میں وارد ہے۔ فرمایا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین (2) کہے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب گھر خالی ہو۔ اگر اس کے گھر میں اس کے اہل، خدام وغیرہ ہوں تو السلام علیکم کہے۔ اگر مسجد میں داخل ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے خالی گھر میں یہی کہنے کی ترغیب دی ہے۔ ابن عربی نے کہا: مختار یہ ہے کہ گھر خالی ہو تو سلام

1۔ تفسیر ثعلبی، جلد 4، صفحہ 199　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 126

لازم نہیں ہے۔ اگر سلام فرشتوں پر مقصود ہو تو فرشتے ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں، لیکن تو گھر میں داخل ہو تو تیرے لیے اللہ کا ذکر کرنا مستحب ہے تو اس طرح کہے: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔ یہ سورۃ الکہف میں گزر چکا ہے۔ قشیری نے کہا۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہر گھر میں داخل ہونے کے وقت عام ہے۔ اگر اس میں کوئی مسلمان رہتا ہو تو یوں کہے: السلام علیکم و علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔ اگر گھر میں غیر مسلم ہو تو یوں کہے: السلام علی من اتبع الھدی یا السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔ ابن خویز منداد نے کہا: مجھے ابو العباس اصم نے لکھا کہ ہمیں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابن وہب نے بتایا فرمایا ہمیں جعفر بن میسرہ نے بتایا انہوں نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم گھروں میں داخل ہو تو ان کے رہنے والوں پر سلام کرو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو کیونکہ جب کوئی گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرتا ہے اور کھانے پر اللہ کا نام ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: یہاں نہ تمہارے لیے رات گذارنے کی جگہ ہے اور نہ شام کا کھانا ہے۔ اور جب کوئی سلام نہیں کرتا جب داخل ہوتا ہے اور کھانے پر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تم نے رات گذارنے کی جگہ اور کھانے کو پالیا“۔ میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی حضرت جابر کی حدیث سے ثابت ہے جو امام مسلم نے تخریج کی ہے۔ اور ابو داؤد نے امام مالک اشجعی سے روایت کی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو کہے اللھم انی أسألك خیر المولج و خیر المخرج بإسم اللہ ولجنا و بإسم اللہ خرجنا و علی اللہ ربنا توکلنا (1)۔ پھر اپنے گھر والوں پر سلام کرے“۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَحِیَّةً۔ یہ مصدر ہے کیونکہ فسلموا کا معنی ہے فحیوا۔ برکت کے ساتھ اس کا وصف بیان فرمایا کیونکہ اس میں دعا ہے اور جس پر سلام کیا گیا ہے اس کی محبت حاصل کرنا ہے اور الطیب کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا کیونکہ اس کو سننے والا خوشی محسوس کرتا ہے۔ کذلك میں کاف تشبیہ ہے اور ذالك اسم اشارہ ہے اور یہ ان سنن کی طرف اشارہ ہے یعنی جس طرح تمہارے لیے ان اشیاء میں تمہارے دین کی سنت بیان کی گئی ہے وہ تمہارے لیے وہ تمام چیزیں بیان کرتا ہے جس کی تمہیں تمہارے دین میں حاجت ہوتی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۶۲

”پس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں، بلاشبہ وہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ما یقول الرجل إذا دخل بیتہ، جلد 2 صفحہ 339

لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں الله کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لیے تو اجازت دیجیے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجیے ان کے لیے الله تعالیٰ سے، بیشک الله تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اس آیت میں انما حصر کے لیے ہے، معنی ہے کہ الله تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانیوالے کا ایمان مکمل نہیں ہوتا مگر جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بغیر عناد کے سننے والا ہو اس طرح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو مکمل کرنے کا ارادہ کرتا ہو وہ اس ارادہ کے وقت اس کے زوال کے ساتھ اس کے فساد کا ارادہ کرتا ہو الله تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں بیان فرمایا کہ اس نے آیات بینات نازل کیں۔ اور نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور سورت کا اختتام آپ کی متابعت کرنے کے موکد حکم کے ساتھ کیا تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، قرآن کے حکم کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ امر جامع سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ ہے جس کے لیے امام کو لوگوں کے جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس میں مصلحت کا پھیلاؤ ہوتا ہے، مثلاً دین میں سنت کو قائم کرنا، ان کے اجتماع کے ساتھ دشمن کو ڈرانا اور ضرر پر مشتمل ہو تو اس کے مشورہ کے لیے لوگوں کو جمع کرے۔ امام وہ ہوتا ہے جس کے اذن کا انتظار کیا جاتا ہے وہ امارت کا امام ہے۔ کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے نہ جائے مگر اس کی اجازت سے جب کوئی شخص اس کے اذن سے جائے گا تو اس سے سوء ظن دور ہو جائے گا۔ مکحول اور زہری نے کہا: جمعہ، امر جامع سے ہے(1)۔ نماز کے امام سے اجازت لینی چاہیے جب ریاست کا امیر اس کو امامت کے لیے مقدم کرے جب اجازت طلب کرنے والا اجازت طلب کرنا چاہے۔ ابن سیرین نے کہا: لوگ اجازت طلب کرتے تھے جب امام منبر پر ہوتا تھا۔ جب یہ زیادہ عمل ہوا تو زیاد نے کہا: جو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھے وہ بغیر اجازت کے چلا جائے۔ یہ مدینہ طیبہ میں تھا حتی کہ سہل بن ابی صالح کو جمعہ کے دن نکسیر آئی تو انہوں نے امام سے اجازت طلب کی۔ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ ریاست کے امیر سے اجازت لی جائے جو احکام نبوت کی تکمیل کراتا ہے کیونکہ اسے بعض اوقات دینی امور میں سے کسی امر کے لیے کسی شخص کو روکنا ہوتا ہے، رہا صرف نماز کا امام اس کے لیے یہ نہیں ہے کیونکہ وہ دین کے اجزاء میں ایک جزء پر وکیل ہے اس شخص کا جو نبوت کے احکامات کی تکمیل و تعمیل کراتا ہے۔ روایت ہے کہ یہ آیت خندق کے کھودنے کے وقت نازل ہوئی جب قریش آئے تھے اور ان کا قائد ابوسفیان تھا۔ غطفان قبیلہ کے لوگ آئے تھے اور ان کا قائد عیینہ بن حصن تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ یہ شوال سنہ ۵ ہجری میں واقعہ پیش آیا تھا۔ منافق لوگ کام کرنے سے آہستہ آہستہ کھسک جاتے تھے اور جھوٹے عذر پیش کرتے تھے۔ اشہب اور ابن عبد الملک نے امام مالک سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اسی طرح محمد بن اسحاق نے کہا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 197

مقاتل نے کہا: یہ حضرت عمر کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے غزوہ تبوک میں نبی کریم ﷺ سے لوٹنے کی اجازت طلب کی (1) تو آپ ﷺ نے اس کو اجازت دے دی۔ اور فرمایا: تو جا اللہ کی قسم! تو منافق نہیں ہے۔ یہ آپ منافقین کو سنانا چاہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت عمر نے عمرہ کے لیے اجازت طلب کی آپ ﷺ نے جب انہیں اجازت دی تو فرمایا: ''اے ابو حفص! اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا'' (2)۔ میں کہتا ہوں: صحیح پہلا قول ہے کیونکہ وہ تمام اقوال کو شامل ہے۔ ابن عربی نے آیت کے نزول میں اس کو پسند کیا ہے جو ہم نے امام مالک اور اسحاق سے ذکر کیا ہے اور یہ کہ یہ جنگ میں خاص ہے۔ فرمایا: اس کو دو امر واضح کرتے ہیں ایک یہ کہ دوسری آیت میں ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا اور منافقین کھسک جاتے تھے اور جماعت سے بھاگ جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کو حکم دیا کہ ان میں سے کوئی بھی نہ نکلے حتی کہ رسول اللہ ﷺ اسے اجازت دیں۔ اس سے اس کا ایمان ظاہر ہوگا۔ دوسرا یہ ارشاد: لَمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ یعنی حدث میں اجازت طلب کرنا جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو۔ اور امام کے لیے حدث کی صورت میں منع کرنے اور باقی رکھنے کا کوئی اختیار نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ یہ ارشاد بیان کرتا ہے کہ یہ جنگ کے ساتھ خاص ہے۔ میں کہتا ہوں: عموم کا قول اولی اصح، احسن اور اعلیٰ ہے۔ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا اگر چاہیں تو اجازت دیں چاہیں تو منع کر دیں قتادہ نے کہا: فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ منسوخ ہے اور اس کا ناسخ یہ ارشاد ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ: 43) اور اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ یعنی جماعت کے خروج کی وجہ سے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اگر آپ ان میں عذر دیکھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے انہیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آلے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا یعنی دور سے آواز دینا: اے ابو القاسم! بلکہ رسول مکرم کی تعظیم کرو جیسا کہ سورۃ الحجرات میں فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (الحجرات: 3)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 127

2۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک، فضل دعاء الحجاج، جلد 1، صفحہ 213

سنن ابی داؤد، کتاب ابواب قیام اللیل، باب الدعاء، حدیث نمبر 1280

سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے تم کہو: یا رسول اللہ! اور نرم اور عزت آمیز ملائم لہجہ میں کہو، گستاخانہ انداز میں: یا محمد! نہ کہو۔ قتادہ نے کہا: انہیں حکم دیا کہ رسول کریم کی عزت و احترام کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر کے اپنے خلاف دعا کا موجب نہ ہو کیونکہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا۔ التسلل اور الإسلال کا معنی ہے نکلنا لواذا، الملاوذۃ سے مشتق ہے کسی چیز کی آڑ لینا تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ منافق لوگ نماز جمعہ سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے تھے۔ لِوَاذًا حال کی جگہ میں مصدر ہے یعنی ملاوذین، یعنی ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہیں۔ یہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپنے کے لیے کرتے تھے، کیونکہ منافقین پر جمعہ کے دن اور خطبہ میں حاضری سے بھاری کوئی اور چیز نہیں تھی؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ اس پر گفتگو گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جہاد سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر لوٹ جاتے تھے۔ حسن نے کہا: لواذا جہاد سے فرار ہوتے ہوئے؛ اسی سے حضرت حسان کا قول ہے:

وقریشٌ تجول منا لِوَاذا لم تحافظ وخَفّ منها الحُلُوم (1)

واؤ صحیح ہے کیونکہ لاذ میں واؤ متحرک ہے کہا جاتا ہے: لاوذ یلاوذ ملاوذۃ، ولواذا اور لاذ یلوذ لواذا ولیاذا۔ یہاں واؤ کسرہ کے بعد یاء سے بدل گئی ہے کیونکہ لاذ میں تعلیل ہو چکی ہے۔ جب فاعل کا مصدر ہو تو تعلیل نہیں کی جائے گی، کیونکہ فاعل میں تعلیل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اس آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ اور اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ کے ارشاد سے نافرمانی پر سزا کی پیروی کرنا واجب ہے۔ فتنۃ سے مراد یہاں قتل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عطاء نے کہا: اس سے مراد زلزلے اور ہولناکیاں ہیں۔ جعفر بن محمد نے کہا: ظالم بادشاہ ہے جو ان پر مسلط کیا جاتا ہے بعض نے کہا فتنۃ سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی نحوست کی وجہ سے دلوں پر مہر لگا دینا ہے۔ امرہ میں ضمیر کا مرجع بعض علماء کے نزدیک امر اللہ ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ بعض نے کہا: امر رسول ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے، یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعراض کرتے ہیں۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: عن، اس جگہ زائدہ ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا: زائدہ نہیں ہے اس کا معنی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد مخالفت کرتے ہیں جیسے شاعر نے کہا: لم تَنْتَطِق عن تَفَضُّلِ۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکہف: 50) یعنی بعد امر ربہ۔ اور ان یحذر کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور اکثر نحویوں کے نزدیک حذر زیدا جائز نہیں اور ان میں یہ جائز ہے کیونکہ حروف جارہ اس کے ساتھ حذف ہوتے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 129

''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور اس دن جب وہ لوٹائے جائیں گے اس (کی بارگاہ) کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی تخلیق اور ملک سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا اور یہاں یعلم بمعنی علم ہے۔ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ پہلے خطاب کے صیغے ذکر فرمائے اب خبر کی طرف رجوع فرمایا اس کو خطاب التلوین کہا جاتا ہے۔ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ان کے اعمال کے متعلق انہیں خبر دے گا اور انہیں ان کی جزا دے گا۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ سورۃ النور کی تفسیر قرطبی کا ترجمہ 3 جولائی بروز جمعرات 2008ء صبح آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر ختم ہوا۔ اے میرے کریم رب! آسمان وزمین کے خالق و مالک اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما اور اسے دنیا و آخرت کی سعادتوں کے حصول کا باعث بنا۔ میرے والدین، میرے مشائخ، میرے اساتذہ کرام، طلباء، میرے اہل بیت سب کی بخشش کا سبب بنا۔

بجاہ سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ واصحابہ اجمعین۔

سید محمد اقبال شاہ عفی عنہ